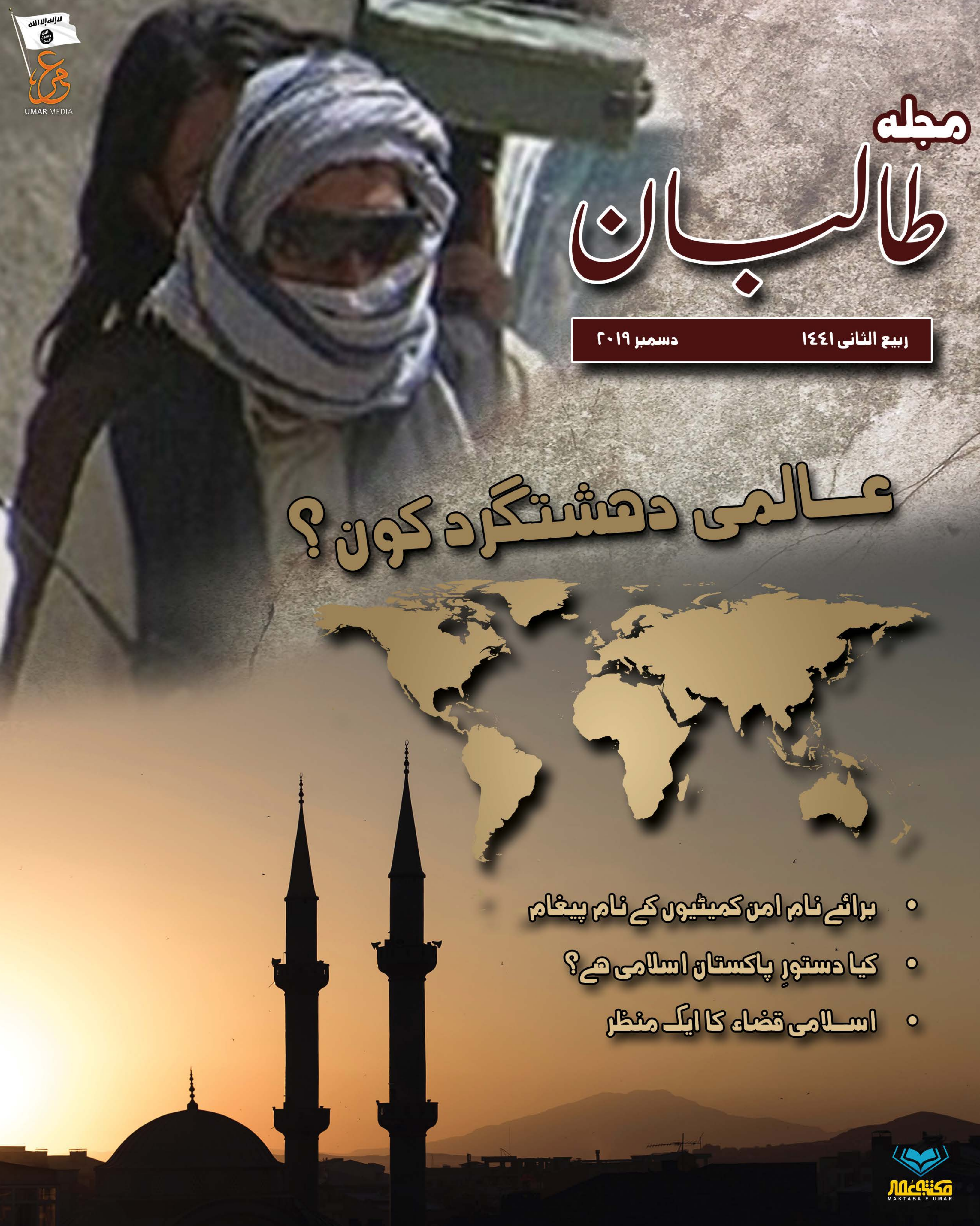
UMAR MEDIA

مجلہ طالبان

ربیع الثانی ۱۴۴۱ — دسمبر ۲۰۱۹



عالمی دہشتگرد کون؟

- برائے نام امن کمیٹیوں کے نام پیغام
- کیا دستورِ پاکستان اسلامی ہے؟
- اسلامی قضاء کا ایک منظر

MAKTABA E UMAR

Umar.media.ttp@protonmail.com | Majallah.Tehreek@gmail.com | www.umarmediattp.com

فہرست مضامین

اداریہ

بسم الله الرحمن الرحيم

قال اللّٰه تعالى

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴿١٥﴾ المائدة

"اے ایمان والو! مت بناؤ یہود اور نصاری کو دوست، وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں ہے۔ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔"

قال رسول اللّٰه ﷺ

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ : « مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ » ﴿رَوَاهُ مسلم و أَبُو دَاوُدَ﴾

" جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے نہ کبھی جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی جہاد کا خیال آیا تو وہ نفاق کی ایک خصلت پر مرا۔"

اداریـــہ

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه اما بعد

اسلام کا نعرہ لگا کر ملک حاصل کیا گیا، لیکن اس میں اسلامی نظام کی جگہ غیر شرعی کفری جمہوری نظام نافذ کردیا گیا، مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اس پر «اسلامی جمہوریہ» کی پیوند کاری کی گئی، علماء کو استعمال کر کے اسلام کے نام پر غیرشرعی جمہوری نظام سے نالاں قوموں اور ان کے علاقوں کا ملک سے الحاق کیا گیا۔ جمہوری اصولوں کے مطابق مختلف سیاسی دھڑے بنا کر مسلمانوں میں فرقہ واریت کو فروغ دیا اور پوری قوم میں نفرتوں کے بیج بوئے گئے، اور اس طرح اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس پاک ملک میں ناپاک جمہوریت کا ڈرامہ شروع کیا گیا۔

اب ہر پانچ سال بعد ایک ڈرامے باز سیاستدان اپنے تمام سیاسی میراثیوں کے ساتھ اپنے جھوٹے وعدوں اور دعووں کی بنیاد پر عوام کو بے وقوف بنا کر اسٹیج پر آتا ہے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس ڈرامے باز سیاسی ٹولے کے وعدوں اور دعووں کی حقیقت واضح ہوتی اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھتا ہے تو عوام میں ان کے خلاف چہمہ گوئیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب حزب اختلاف نامی فسادی ٹولے کو اسٹیج پر آنے کا موقع ملتا ہے۔ مداریوں کا یہ ٹولہ حکومت کو گرانے کی کوششیں شروع کردیتا ہے، حکومت کی بدعنوانیوں اور ظلم سے پریشان حال سادہ مسلمان اپنے حقوق کا حصول ان مداریوں کی ہمرکابی میں سمجھ کر ان کے ساتھ ہولے تے ہیں۔ پھر کبھی تو یہ حزبِ اختلاف اپنے مقاصد میں کامیاب ہوکر حکومت کو گرانے میں کامیاب ہوجاتی ہے اور کبھی اسی ڈرامے میں پانچ سال پورے ہوجاتے ہیں اور پھر الیکشن کے نام پر اس ڈرامے کی ایک اور قسط نشر ہوتی ہے، جس کے بعد چہروں کی تبدیلی اور وہی پرانا کھیل۔

۷۲ سال سے انگریز کی دی ہوئی ایک ہی اسکرپٹ پر کولہو کے بیل کی طرح عمل پیرا ترقی کی خواہشمند میری قوم نہ جانے کب عقل کے ناخن لے گی۔ مؤمن تو غلطی سے کبھی ایک بار دھوکہ کھاجاتا ہے، لیکن ہم نے تو جیسے جان بوجھ کر مغرب نواز حکمرانوں اور خائنینِ وطن فوجیوں کی چالوں اور ظلموں کے سامنے آنکھیں بند کرکے بے وقوف بننے کا پکا فیصلہ ہی کرلیا ہو۔ جناح سے لے کر کپتان تک ایک ہی کھیل کی ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ہے۔ چہرے بدلتے رہتے ہیں مگر کردار اور خیانتیں ایک ہی ہیں۔

ہر کچھ سال بعد جب عوام تمام سیاسی مداریوں سے بدگمان ہوجاتے ہیں اور ان خائنین کی مانگ سیاسی مارکیٹ میں کم ہوجاتی ہے تو ایک اور نیا نام اور نیا چہرا متعارف کرایا جاتا ہے، اس کی دھواں دار تقریر اور «تبدیلی» کے دعووں پر عوام ایک دفعہ پھر دھوکہ کھاجاتی ہے، لوگ یہ کہہ کر اسے ووٹ ڈالتے ہیں کہ «یہ تبدیلی لے کر آئے گا»، «اس بار اس کو موقع دینا چاہیے»۔

اب تبدیلی تو آچکی ہے مگر وہ نہیں جو عوام چاہتے تھے۔ بے دینی، فحاشی و عریانی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے، آزادئ مذہب کے نام پر اسلام اور اسلامی اقدار کا مذاق و توہین کرنے والوں کو حکومتی سرپرستی و تحفظ حاصل ہوچکا ہے، ریاستِ مدینہ منورہ کے نام پر مدنی نظام کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں، ملک کا اقتصاد سودی قرضوں، حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ اور فضول خرچیوں کی وجہ سے صفر پر کھڑا ہے، ملکی سرحدات غیر محفوظ ہوچکیں اور جنگ کے بادل سر پر منڈلا رہے ہیں۔

ایک فون کال پر سرینڈر ہونے والی، ناپاک خون پینے اور سانپ بچھو کھانے پر فخر کرنے والی اس نام نہاد اسلامی فوج سے وطنِ عزیز کے دفاع کی امیدیں سادگی کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اسلام دشمن فوج صرف نہتے مسلمانوں کے سامنے ہی شیر ہے، قبائل و مالاکنڈ کے کھنڈرات اور مظلوم بلوچ قوم کے ویران آشیانے اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جبکہ مشرکوں اور کفار کے خلاف آپ کو ان کی اقوام متحدہ کے سامنے صرف فریادیں اور عالمی اجلاسوں میں دھواں دار تقریریں ہی سنائی دیں گی۔

یہ فوج اسلام اور مسلمانوں کی نہیں امریکہ اور اسرائیل کی محافظ ہے۔ آپ اپنے نزدیک کشمیری، روہنگی اور ایغور مسلمانوں کا حال دیکھ سکتے ہیں، ان مظلوموں کی فریاد رسی کے لیے یہ فوج کسی کام نہ آئی، یہ فوجی افسران اور غلام حکمران ڈالروں کے عوض ملک کا سودا کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے اور ہمیشہ کی طرح ظلم کا شکار عوام ہی رہے گی۔

مغرب کے مفادات کے لیے کوشاں خائن و غلام حکمرانوں اور وطن فروش فوجی افسروں اور جرنیلوں کی مستقبل کی پناہ گاہیں سب کو معلوم ہیں، انہیں تو عام حالات میں بھی ملک میں رہائش کے لیے کوئی شہر پسند نہیں آتا چہ جائے کہ جان کا خطرہ سر پر منڈلارہا ہو، انہیں اپنے بچوں کے لیے ملک میں کوئی تعلیمی ادارہ تک نہیں ملتا، علاج کے لیے ملک کے ہسپتال ان کے لیے ناکافی ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی یہ «محبِ وطن» اور ملک کے بنیادی اسلامی نظریے کی بات کرنے والے غیر ملکی ایجنٹ اور ملک دشمن عناصر؟!

وطنِ عزیز سے حقیقی محبت کرنے والے، چاہے اسلام پسند دیندار لوگ ہوں یا سیکولر نظریات کے حامل افراد، اگر ابھی بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو ان حکمرانوں اور جرنیلوں کے ہاتھوں اسی طرح قربانی کا بکرا بنے رہیں گے۔

فوجی جرنیلوں اور مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے بنائے گئے پاکستان کے خفیہ اداروں کے ظلم و جبر سے نجات کا واحد راستہ جہاد فی سبیل اللہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کے لیے کوشاں نہ ہو۔ ابھی بھی وقت ہے قافلۂ جہاد میں شامل ہوجائیں، اپنے اور دیگر مسلمانوں کے دفاع کی تیاری کریں، اپنی جان و مال سے مجاہدین کی مدد و نصرت کریں، انہیں اپنے دلوں اور گھروں میں جگہ دیں، یہود و نصاریٰ کی اس غلام فوج سے اپنا ملک آزاد کرائیں، اپنی اولادیں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کریں، دنیا میں بھی با عزت ہوں گے اور آخرت میں بھی رب کے سامنے سرخرو۔

کامیاب اور خوش نصیب وہ ہے جو اللہ کے دین کے لیے قربان ہو کر ہمیشہ کی جنتوں کا مالک بن جائے اور رحمن و رحیم رب کے دیدار کی سعادت حاصل کرے۔

پانچواں فائدہ: شر اور فساد کا خاتمہ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ (البقرۃ:۲۵۱)

"اور اگر اللہ تعالی لوگوں کے ذریعے دوسرے لوگوں کو دور نہ کرتے تو ضرور بالضرور زمین میں فساد ہوجاتا۔"

یعنی اگر اللہ تعالی مسلمانوں کے ذریعے کافروں کو دور نہ کرتے تو زمین میں شر اور فساد پھیل جاتا۔

چھٹا فائدہ: اسلامی سرزمینوں کی کفار سے آزادی

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ (البقرۃ:۱۹۱)

"اور نکالو ان کو اس جگہ سے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔"

جب کفار مسلمانوں کی زمین اور ملکوں پر قبضہ کرلیں تو مسلمانوں پر اس زمین اور ملکوں کا آزاد کرانا فرض ہوجاتا ہے، اور جب نزدیک کے مسلمان کفار کے مقابلے سے عاجز ہوجائیں یا جہاد نہ کریں تو تمام مسلمانوں پر جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔

جیسا کہ اندلس (جسے آج کل سپین یا ہسپانیہ کہا جاتا ہے) میں مسلمانوں نے تقریبا آٹھ سو سال حکومت کی اور پھر اس پر صلیبیوں نے قبضہ کرلیا۔ چناں چہ اندلس کی آزادی کے لیے بھی ہم پر جہاد فرض ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی پوری زمین جیسے کشمیر، حیدرآباد، آسام، نیپال، بہار وغیرہ، یہ سب اِمارتِ اسلامیہ کا حصہ تھا، جس میں اسلامی حکومت تھی۔ آج کل ان ملکوں میں ہندوؤں کا قبضہ ہے۔ اس کی آزادی کے لیے بھی جہاد فرضِ عین ہے۔

اسی طرح پاکستان کا بہت سا حصہ جیسے کراچی سے ملتان تک محمد بن قاسم کے دور میں فتح ہوا تھا اور اِمارتِ اسلامیہ کا حصہ تھا۔ آج کل اس میں انگریزوں کا قانون نافذ ہے اور مرتد حکمران اس پر قابض ہیں۔

شرعی دورہ

جہاد

کے چوالیس فائدے

دوسرا حصہ

"کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو"

اسی طرح افغانستان کا ایک بڑا حصہ ، جیسا کہ کابل تک صحابہ کرام نے جہاد کیا ، اسی طرح دریائے آمو سے اس پار علاقے میں خلفائے راشدین کے دور میں تشکیلات ہوئیں تھیں اور یہ علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تھے، لیکن آج کل اس پر امریکہ اور اس کے اتحادی قابض ہیں۔

اسی طرح بلغاریہ ، ہنگری، قبرص، فلپائن، حبشہ (ایتھوپیا)، شرقی ترکستان کاشغر تک جو کہ آج کل چین کا (مقبوضہ) حصہ ہے اور مغربی ترکستان جو کہ آج کل روس کے زیرِ تسلط ہے، اسی طرح فرانس تک صحابہ کرام رضی اللہ عنھم پہنچ گئے تھے اور یہ سب اسلامی حکومت کے حصے تھے۔ ان سب علاقوں کو کفار سے آزاد کرانا ہمارے اوپر ایک امانت ہے۔

ساتواں فائدہ: مؤمنین اور منافقین کی تمیز

جہاد کا یہ فائدہ قرآن پاک میں باربار بیان کیا جاتا ہے، جیسا کہ :

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ال عمران:۱۴۰)

"اور تاکہاللہ تعالیٰ ظاہر کریں مؤمنین۔"

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (ال عمران:۱۶۷،۱۶۶)

"اور تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کریں مؤمنین اور تاکہ ظاہر کریں ان لوگوں کو جو منافقین ہیں۔"

کبھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (العمران:۱۷۹)

"اللہ تعالیٰ نہیں ہیں مؤمنوں کو چھوڑنے والے اس حالت پر جس پر تم ہو یہاں تک کہ جدا کردیں ناپاک کو پاک سے۔"

منافق اور مخلص کی تمیز دو وقتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک جہاد میں اور دوسرا منکر کے رد میں۔ منافق منکر کا رد نہیں کرتا اور مخلصین منکر کا رد کرتے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: شہداء کا حصول

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (العمران:۱۴۰)

جہاد اس لیے ہے تاکہ تم میں شہداء ہوں۔

شہادت بہت اونچا درجہ ہے جو کہ جہاد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اگر جہاد نہ ہوتا تو شہادت کا اتنا اونچا درجہ کسی کو نہ ملتا۔

شہادت کا درجہ اور مقام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید کو اللہ تعالیٰ چھ انعامات عطاء فرماتے ہیں:

۱ . اس کی فوری بخشش ہوجاتی ہے۔
۲ . جنت میں اس کی جگہ اس کو دکھا دی جاتی ہے۔
۳ . عذابِ قبر سے اس کو پناہ دے دی جاتی ہے۔
۴ . قیامت کی بڑی ہیبت سے اس کو امن دے دیا جاتا ہے۔
۵ . اس کے سر پر عزت کا ایسا تاج رکھا جاتا ہے کہ جس کا ایک موتی دنیا و ما فیھا سے بہتر ہے۔
۶ .بہتر (۷۲) حوروں سے اس کا نکاح کروا دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ:

- ستر رشتہ داروں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ باسناد صحیح)
- رسول اللہ ﷺ شہادت کا ارمان کرتے تھے۔ (متفق علیہ)
- شہید جب اپنی عزت دیکھے گا تو ارمان کرے گا کہ میں واپس دنیا چلا جاؤں اور دس دفعہ شہید کیا جاؤں۔(متفق علیہ)
- شہید کو مردہ کہنا حرام ہے اور شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔ (مسلم)
- شہادت سے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔(مسلم)
- شہید کو صرف اتنی تکلیف کا احساس ہوتا ہے جتنا کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (رواہ الترمیذی والنسائی والدارمی)

نواں فائدہ: مؤمن کو گناہوں اور گندگی سے پاک کرنا

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (العمران:۱۴۱)

"تاکہ پاک کریں اللہ تعالیٰ مؤمنین کو۔"

"تمحیص" یعنی پاک کرنا گندگی سے اور ان کو خالص کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد سے مجاہد میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔

دسواں فائدہ: کفار کی ہلاکت

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (ال عمران:۱۴۱)

اور تاکہ ہلاک کریں کافروں کو۔

یعنی جہاد کے ذریعہ کفار ہلاک کئے جاتے ہیں۔ کبھی ان پر تعارض ہوتے ہیں، کبھی کمین لگائی جاتی ہے، کبھی ریموٹ کنڑول بم اور کبھی ان کو ہلاک کرنے کے لیے فدائی ان پر استعمال کیے جاتے ہیں ۔

گیارہواں فائدہ: مجاھدین واضح کرنا

یعنی لوگ مجاھد اور غیر مجاھد کو جان لیں، جیسا کہ :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ (ال عمران:۱۴۲)

"کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہوجاؤگے اور ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نہیں ظاہر کیے وہ لوگ جنھوں نے جہاد کیا۔"

بارہواں فائدہ: صابرین واضح کرنا

جیسا کہ "**ویعلم الصابرین**"(اور تاکہ ظاہر کریں صبر کرنے والے)۔ یعنی یہ بات واضح ہوجائے کہ

کون شھادتوں اور زخموں پر، ہجرتوں اور جیلوں پر، گھروں کی بربادی اور دیگر مشکلات پر صبر کرتا ہے اور کون ان پر صبر نہیں کرتا ۔

تیرہواں فائدہ: انبیاء اور دیگر نیک لوگوں کی تابعداری

کیوں کہ جہاد انبیاء اور نیک لوگوں کا راستہ ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ (ال عمران : ۱۴٦)

"اورکتنے ہی انبیاء کے ساتھ مل کر جنگ کی بہت سے نیک لوگوں نے۔"

چودھواں فائدہ: ایمان زیادہ کرنا

یعنی جہاد کی وجہ سے ایمان میں ترقی اور زیادتی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ فرمایا "وزادھم ایمانا" (ان کا ایمان زیادہ کردیا) اور ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (الاحزاب:۲۲)

(انہیں زیادہ نہ کیا مگر ایمان اور تابعداری میں)

پندرہواں فائدہ:مؤمنوں کو آزاد کرانا

یعنی کمزور عورتوں اور بچوں کو ظالموں کے ظلم سے آزاد کرانا، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ (النساء:۷۵)

"اور کیا عذر ہے تمھارا کہ جنگ نہیں کرتے اللہ تعالی کے راستے میں ،کمزور مرد، عورتوں اور بچوں کو آزاد کرانے کے لیے۔"

جیسے جب مسلمان کفار کی جیلوں میں ہوتے ہیں تو ان کو آزاد کرانے کے لیے جہاد فرضِ عین ہوتا ہے۔ جیسا کہ آج کل امریکیوں اور ان کے اتحادیوں کی جیلیں مسلمانوں اور مجاھدین سے بھری ہوئی ہیں، جن کا وقت تکالیف اور مظالم کو سہ سہ کر گزرتا ہے۔ بہت سے مجاھدین غائب ہیں، ورثاء کو نہیں معلوم کہ زندہ ہیں یا مر گئے یا کس جیل میں ہیں، ان سے ملاقات ، ٹیلیفون یا خط کسی طرح بھی رابطے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ بہت سے جیلوں میں شہید کر دیے گئے اور سڑکوں پر پھینک دئے گئے۔ فاللہ المستعان ۔ اللہ تعالی سب کو آزادی نصیب فرمائیں اور سب کو صبر اور برداشت کی توفیق عطاء فرمائیں، اور اللہ تعالی ان کے ایمان و اعمال اور عقل و دماغ کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

سولہواں فائدہ: کافروں کی جنگ کو روکنا

یعنی جہاد کے ذریعے کافروں کی جنگ رکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان مبارک ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (النسا:۸۴)

عسی اللہ تعالی کے کلام میں وجوب کے لیے آتا ہے، یعنی جہاد کے ذریعے اللہ تعالی کافروں کی جنگ کو روکتے ہیں۔ جب مجاھدین قربانی دیتے ہیں تو اللہ تعالی کافروں کو مارتے اور ذلیل و رسوا کرتے ہیں ، اور پھر وہ صلح اور مذاکرات پر راضی ہوجاتے ہیں۔

جب نبی ﷺ نے ہجرت کی تو صلح حدیبیہ تک چھ سال کافر کسی قسم کے مذاکرات کے لیے تیار نہ تھے، ان کی یہ سوچ تھی کہ ہم مسلمانوں کو جڑ سے ختم کردیں گے اور ان کا مرکز یعنی مدینہ منورہ ختم کر دیں گے، لیکن جب ان سے جنگیں شروع ہوگئیں اور ان کی خوب مرمت کی گئی تو وہ صلح اور مذاکرات پر راضی ہوگئے ، جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ آج کل ہمارے بھی یہی حالات ہیں کہ جب مجاھدین قربانی دیتے اور حکومت کی خوب پٹائی لگاتے ہیں تو وہ جرگوں اور مذاکرات کی کوششیں شروع کردیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ بھی اپنی جان افغانستان سے نکالنے کے لیے مذاکرات پر زور دے رہا ہے۔

سترہواں فائدہ: مختلف اقسام کے ثوابوں کا حاصل ہونا

جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان مبارک ہے:

وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۟ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً (النساء:۹٦،۹۵)

ان آیات میں اللہ تعالی نے مجاھدین سے اجرِ عظیم اور بہت سے درجات کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی تشریح نبی ﷺ نے اپنی حدیث میں اس طرح فرمائی ہے کہ جنت میں سو درجے ہیں جو کہ سب کے سب اللہ تعالی نے مجاھدین کے لیے تیار کیے ہیں۔ ان آیات میں مغفرت اور رحمت کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ توبہ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ مجاھدین کامیاب ہیں اور ان کو اللہ تعالی رحمت ، اپنی رضا اور جنت نصیب فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس پر جہاد کی گرد لگ جائے تو جہنم کی آگ اس پر حرام ہوجاتی ہے۔ (بخاری)، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جو آنکھ جہاد میں پہرہ دے تو اس آنکھ پر جھنم کی آگ حرام ہوجاتی ہے۔ (ترمذی)، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی کے راستے میں وقت لگانا گھر کی ستر سالہ نماز سے بہتر ہے۔ (ترمذی) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ خون کا وہ قطرہ اللہ تعالی کو بہت محبوب ہے جو کہ جہاد میں گرے اور بدن کا وہ نشان (جیسے زخم وغیرہ) اللہ تعالی کو بہت محبوب ہے جو جہاد میں لگے۔ (ترمذی)

اٹھارواں فائدہ:کافروں کی جڑ کاٹنا

جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان مبارک ہے:

وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (الانفال:۷)

(اور کاٹتا ہے کافروں کی جڑیں۔)

سورہ آل عمران میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (ال عمران:۱۲۷)

(تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ھلاک کریں)

انیسواں فائدہ: حق ظاہر کرنا

بیسواں فائدہ: باطل کا خاتمہ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ (الانفال:۸)

(تاکہ ظاہر کریں حق اور ختم کریں باطل)

اکیسواں فائدہ: کافروں کو ڈرانا

جیساکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال:٦٠)
(اس سے اللہ تعالی کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے ہو)

اسی طرح فرماتے ہیں:

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (الانفال:١٢)
(جلد ہی میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا)

اسی طرح فرمایا:

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (الحشر:٣)
(اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں ڈر ڈال دیا)

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"رجل آخذ بعنان فرسه يخيف العدو" (آخری زمانے میں وہ شخص بہت بہتر ہوگا جو اپنے گھوڑے کی لگامیں پکڑا اپنے دشمن کو ڈراتا ہوگا۔) یعنی دشمن اس سے ڈر اور خطرے میں ہو، جیسا کہ آج کل جسے دہشت گرد اور دہشت گردی کہا جاتا ہے، اور عربی میں "ارھابی" کہاجاتا ہے۔ کافر پر دہشت اور ڈر ڈالنا مؤمن کی صفت ہے۔

بائیسواں فائدہ: جہاد کافروں کے لیے عذاب ہے

تیئسواں فائدہ: کافروں کو رسوا کرنا

چوبیسواں فائدہ: جہاد مؤمنوں کے لیے اللہ کی مدد و نصرت کا سبب ہے

پچیسواں فائدہ: جہاد مؤمنوں کے سینوں کو ٹھنڈک دینے کا سبب ہے

چھبیسواں فائدہ: جہاد سے کافروں کا غصہ ختم ہوتا ہے

ستائیسواں فائدہ: قتال کافروں کی توبہ کا سبب ہے

یہ چھ کے چھ فائدہ اللہ عزوجل نے اس ایک آیت میں بیان فرمائے ہیں:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٤ وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
(التوبۃ: ١٥، ١٤)

"جنگ کرو ان سے، اللہ تعالی انہیں تمھارے ہاتھوں عذاب دیں گے، اور انہیں شرمندہ کریں گے، اور ان کے مقابلے میں تمھاری مدد کریں گے، اور ٹھنڈے کریں گے مؤمنوں کے سینے، اور کافروں کے دلوں کا غصہ ختم کردیں گے، اور مہربانی فرماتے ہیں اللہ تعالی جس پر چاہتے ہیں۔"

اٹھائیسواں فائدہ: جہاد سے جزیہ حاصل ہوتا اور کافر ذلیل ہوتے ہیں

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ: ٢٩)
(یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ ذلیل ہوں۔)

کافروں سے اس وقت تک جنگ کرنا فرض ہے کہ تمام کافر جزیہ دیں اور ذلیل ہوجائیں، اور ان کی حکومت ختم ہوجائے۔

آج کل پوری زمین میں ایک جگہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جس پر کفار اسلامی نظام کے تحت ذمی ہوں اور اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور ذلیل ہوں، بلکہ آج معاملہ الٹ ہے کہ مسلمان ذلیل اورنظامِ کفر کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، اور مسلمانوں کی دولت پر بھی کفار قابض ہیں۔

انتیسواں فائدہ: جہاد دو خوشیوں کے انتظار کا سبب ہے

جہاد سے مسلمان کو دو خوشیاں ملتی ہیں، ایک خوشی فتح اور غنیمت کی ، اور دوسری شہادت کی، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (التوبۃ:٥٢)
(تم لوگ ہمارے لیے دو خوشیوں میں سے ایک خوشی کا انتظار کرتے ہو۔)

تیسواں فائدہ: جہاد اللہ تعالی کے وعدوں کی وفاداری کا سبب ہے

اللہ تعالی نے ہر مؤمن سے وعدہ اور سودا کیا ہے، اور اللہ تعالی نے مؤمنوں کی جان و مال جنت کے بدلے لے لیے ہیں، اوراس کے بدلے میں مؤمن کا کام یہ ہو گا کہ وہ قتال کرے گا، دوسرے کو مارے گا اور خود بھی مارا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ (التوبۃ:١١١)

"یقینا اللہ تعالی نے مؤمنوں کا نفس اور ان کی جان خریدلی ہے کہ ان کے لیے جنت ہوگی، وہ اللہ تعالی کے راستے میں جنگ کریں گے، دوسروں کو ماریں گے اور خود بھی قتل ہوں گے۔"

اکتیسواں فائدہ: جہاد میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنا کثیر ثواب کا باعث ہے

جہاد میں بھوک و پیاس اور تھکاوٹ سببِ ثواب ہے، کسی راستے پر جانا اور کافر کو غصہ دلانا بھی ثواب ہے، دشمن کی ہر تکلیف سببِ ثواب ہے، جہاد میں خرچہ کرنا چاہے کم ہو یا زیادہ ثواب ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا

يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبۃ:١٢٠، ١٢١)

"یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک پہنچتی ہے اللہ کے راستے میں، اور وہ جس بھی راستے پر جاتے ہیں کہ جس سے کافر غصہ ہوتے ہیں، اور انہیں دشمن سے جو بھی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کے لیے اس کے بدلے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔"

بتیسواں فائدہ: دین کے مرکزوں کی حفاظت

یعنی جہاد کے ذریعے دین کے مرکزوں کی حفاظت ہوتی ہے، جیسا کہ :

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج:٤٠)

"اگر دور نہ کرتے اللہ تعالی لوگوں کے ذریعے بعض دوسروں کو تو ویران ہوجاتے گرجے، پیروں اور نصاریٰ کے عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مساجد کہ جس میں اللہ تعالی کا نام یاد کیا جاتا ہے بہت زیادہ۔"

"**لهدمت**" یعنی ویران ہونا دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ظاہری ہوتا ہے جیسے ہماری بہت سی مساجد اور مدارس بمبار سے ویران ہوئے، یا جن ملکوں میں انہوں نے قبضہ کیا جیسا کہ اندلس وغیرہ، اس میں مساجد و مدارس ، گرجوں میں تبدیل کردیے۔

ویران کرنے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ مساجد تو ہوں گی لیکن اس میں عبادت نہیں ہوگی ۔ آج کل بہت سی مساجد ہیں لیکن عبادت سے خالی ہیں، بعض میں عبادت تو ہے لیکن توحید اور سنت کے طریقے پر نہیں۔ لہٰذا جہاد کے ذریعے مساجد اور دینی مرکزوں کی حفاظت ہوتی ہے اور وہ عبادت کے ذریعے آباد کیے جاتے ہیں۔

تینتیسواں (٣٣) فائدہ:

سببِ نصرت الٰہی

جہاد اللہ تعالی کی نصرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ (الحج:٣٠)

(اللہ تعالی ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے اس شخص کی جو اللہ تعالی کی مدد کرے گا۔)

اس آیت میں "لام" اور "نون" دونوں تاکید کے لیے ہیں، یعنی جو جہاد کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی ضرور مدد کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ (الصف : ١٣)

"اور تمھارے لیے ایک دوسری چیز ہے کہ جس سے تم محبت رکھتے ہو جو کہ مدد ہے اللہ تعالی کی طرف سے اور نزدیک فتح۔"

اور جہاد تائید الٰہی کا سبب ہے، جیسا کہ :

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ (الصف:١٤)

"ہم نے مضبوط کردیا ان لوگوں کو جو ایمان لائے دشمن کے مقابلے میں۔"

اور جہاد معیتِ الٰہی کا سبب ہے، یعنی اللہ تعالی مجاھدین کے ساتھ ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ (محمد:٣٥)

(اللہ تعالی تمھارے ساتھ ہیں)

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم جہاد میں اس ارادے سے جاتے تھے کہ مجھے نصرتِ الٰہیہ حاصل ہوجائے اور اللہ تعالی میری مدد فرمائیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تاتاریوں کے مقابلے میں اس وقت کے بادشاہ کو قسم دے کر کہا کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالی ضرور میری مدد کریں گے، کسی نے ان سے کہا کہ انشاء اللہ بھی کہہ دیں، انہوں نے جواب دیا کہ انشاء اللہ تحقیقا کہہ دیتا ہوں تعلیقا نہیں کہوں گا، کیوں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ"۔

چونتیسواں فائدہ:ہدایتِ الٰہی

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ٦٩)

"وہ لوگ جو ہماری رضا کی کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستے سکھا دیں گے۔"

پینتیسواں فائدہ: کفار کا تسلیم ہونا

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد:٤)

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جنگی لوگ جنگی سامان اور اسلحہ رکھ کر تسلیم اور سرینڈر ہوجائیں۔ فراء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ نہ رہ جائیں مسلمان یا صلح کرنے والے۔ (خازن ص:١٣٥، ج:٤)

دوسرا معنی یہ ہے کہ جنگ کے اسباب یعنی شرک چھوڑ دیں، جیسا کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شرک باقی نہ رہے۔ (ابن کثیر ص:١٣٧، ج:٣)

چھتیسواں فائدہ: ابتلاء اور امتحان

سینتیسواں فائدہ: اعمال کی حفاظت

اڑتیسواں فائدہ: ہدایت اور حالت کی اصلاح اور جنت میں داخلہ

انتالیسواں فائدہ: ثابت قدمی

یعنی دین پر ثابت قدم ہونا، جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَ يُدْخِلُهُمُ

الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:۷،۶،۵،۴)

"اگر چاہیں اللہ تعالی تو ان سے بدلہ لے لیں لیکن اس لیے تاکہ امتحان لے لیں تم میں سے بعض کے ذریعے بعض کا، اور وہ لوگ جو مارے جائیں اللہ کے راستے میں تو اللہ تعالی ان کے اعمال کبھی بھی ضائع نہیں فرمائیں گے، نزدیک ہے کہ اللہ تعالی انہیں راستہ دکھائیں گے اور ان کی حالت بہتر کریں گے اور ان کو اس جنت میں داخل کریں گے جو انہیں بتائی جا چکی ہوگی(یعنی پوچھنے کی حاجت نہ ہوگی)۔ اے مؤمنو! اگر تم لوگ اللہ تعالی کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالی تمھاری امداد کریں گے اور تمھارے قدم مضبوط کردیں گے۔"

چالیسواں فائدہ: رضائے الٰہی

اکتالیسواں فائدہ: سببِ سکینہ ، تسلی اور فتح و غنیمت

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿١٨﴾ وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا

(الفتح: ۱۹،۱۸)

"یقینا راضی ہوئے اللہ تعالی مؤمنین سے، جب کہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے درخت کے نیچے، سو معلوم تھا اللہ تعالی کو وہ جو ان کے دلوں میں تھا۔ تو بھیج دیا اللہ تعالی نےان پر آرام و تسلی او ر بدلے میں دے دی ان کو نزدیک فتح اور بہت سی غنیمتیں جو کہ وہ حاصل کریں گے۔"

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جہاد کا ایک اور فائدہ دفاع اور انتقام بھی ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لینے کے لیے کی تھی۔

بیالیسواں فائدہ: سببِ محبتِ الٰہیہ

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصّف:۴)

"یقینا اللہ تعالی ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو اس کے راستے میں جنگ کرتے ہیں صف در صف، گویہ کہ وہ ایک ایسی عمارت ہیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے۔"

تینتالیسواں فائدہ:عذاب سے نجات کا سبب

چوالیسواں فائدہ: سببِ مغفرت، جنت، مزیدار گھر اور مدد و فتح

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

(الصّف: ۱۱- ۱۳)

"اے مؤمنو! کیا میں تمھیں ایک ایسی تجارت دکھاؤں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچائے۔ ایمان لاؤ اللہ تعالی پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں اپنےمال اور جان سے۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ معاف کردیں گے تمھارے گناہ اور داخل کردیں گے ایسی جنتوں میں کہ جس میں نہریں بہتی ہوں گی اور ایسے گھروں میں جو مزیدار ہوں گے، ہمیشہ کی جنتوں میں، یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور تمھارے لیے دوسری نعمت جس سے تم محبت رکھتے ہو، اللہ تعالی کی طرف سے مدد اور عنقریب فتح، اور خوشخبری دے دو مؤمنین کو۔"

جہاد کے یہ کچھ فائدے اور نتیجے ہم نے آیات سے ذکر کیے، اس کے علاوہ احادیث سے بھی جہاد کے بہت سے فوائد پتہ چلتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر جہاد میں کوئی دوسرے فائدے نہ ہوتے اور صرف ایک فائدہ یہ ہوتا کہ اس کے ذریعے ایک گناہ معاف ہوجاتا تو یہ بھی پورا تھا۔ حالاں کہ جہاد سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ (شرح مھذب ج:۱۹)

بہر حال یہ بات غلط ہے کہ اس جہاد کا کوئی فائدہ اور نتیجہ نہیں ہے ، یا یہ پوچھنا کہ اس جہاد کا کیا نتیجہ نکلا؟

مجاھدین کے لیے آخری وصیت یہ ہے کہ جہاد کے اھداف و مقاصد اور فائدوں کو اپنا نصب العین بنائیں، اور جہاد کے ثمرات اور نتائج پر مضبوط نظر رکھیں ، اور اپنی عمریں جہاد میں لگادیں۔

جہاد ختم نہیں ہوسکتا، یہ قیامت تک جاری رہے گا،لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی عمریں جہاد میں لگا دیں، اور اُس جہاد اور شہادت کی کوشش کریں جو اللہ تعالی کو قبول و منظور ہو اور جو اللہ تعالی کی رضا اور نزدیکت کا سبب بنے۔

عارضی جہاد کوئی کمال نہیں ہے، بلکہ کمال تو یہ ہے کہ موت تک جہاد کی کوششوں کو جاری رکھاجائے، اور جہاد کے ساتھ ساتھ علم و دعوت اور دین کے دوسرے شعبوں کی طرف بھی مکمل کوشش کی جائے، اور یہ عزم کیا جائے کہ جہاد کے ساتھ آخری خاتمہ مضبوط عقیدے، نیک عمل اور شہادت پر ہو۔ اللہ تعالی ہمارا آخری خاتمہ توحید کے عقیدے اور مقبول شہادت پر کریں۔ آمین



سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

حضرت علامہ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

جہاد کی حقیقت

جہاد، جہد بمعنی طاقت سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی طاقت کو حاشا مال و دولت کے لئے نہیں، عصبیت، قومیت، وطنیت یا اظہارِ مردانگی و شجاعت اور توسیعِ سلطنت و مملکت کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اپنی طاقت کو پانی کی طرح بہادینا، اس کو اصطلاح شریعت میں جہاد کہتے ہیں۔

اِعلاءِ کلمتہ اللہ (یعنی اللہ کا بول بالا کرنا) اگر مقصود نہ ہو بلکہ فقط مال وزر مطلوب ہویا قطعِ نظرحق اورباطل سے وطن اور قوم کی حمایت مقصود ہو یا اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار منظور ہوتو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک وہ جہاد نہیں ۔ جہاد تو وہ ہے جو محض خالص اللہ جل جلالہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو، دنیاوی اور نفسانی اغراض کے شائبے سے بالکلیہ پاک ہو۔

خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے وفاداروں کا خدا تعالیٰ کے باغیوں سے محض خدا کا باغی ہونے کی وجہ سے لڑنا اور اس کی راہ میں انتہائی جانبازی اور سرفروشی کا نام جہاد ہے بشرطیکہ وہ جانبازی اور سرفروشی محض اس لئے ہو کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اس کے احکام بے حرمتی سے محفوظ ہوجائیں اور دنیا کا کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو۔ایسی جانبازی اور سرفروشی کو شریعتِ اسلام میں جہاد کہتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اگر مال مقصود ہو یا نام مطلوب ہو یا بلا لحاظِ اسلام، قوم و وطن مقصود ہو تو شریعت میں وہ جہاد نہیں بلکہ ایک قسم کی جنگ ہے، چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان کبھی اظہارِ شجاعت کے لئے جنگ کرتا ہے اور کبھی قومی غیرت و حمیت کی بناء پر اور کبھی دنیاوی نمود اور شہرت کے لئے، اِن میں سے کون سی جنگ جہادِ فی سبیل اللہ کا مصداق ہے؟

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ

" جو شخص فقط اِس لئے لڑے تاکہ اللہ ہی کا بول بالا رہے بس وہی جہادِ فی سبیل اللہ ہے۔" (بخاری و مسلم)

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک باب منعقد فرمایا، "**باب لا یقال فلان شهيد**" یعنی کسی کے متعلق قطعی طور پر یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شہید مرا-اس لئے کہ نیت اور خاتمے کا حال کسی کو معلوم نہیں اور اس باب میں ایک واقعہ روایت کیا کہ کسی غزوہ میں نبی کریم ﷺ کا مشرکین سے مقابلہ ہوا تو قزمان نامی ایک شخص صحابہ کرام کے لشکر میں تھا جو درپردہ منافق تھا، اس نے اس لڑائی میں مشرکین کا خوب مقابلہ کیا اور کارِ نمایاں دکھلائے- سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا:

ماالجزء من اليوم احد كما اجزء فلان

" یا رسول اللہ! آج ہم میں سے کسی نے اتنا کام نہیں کیا جتنا کہ فلاں نے کیا-"

آنحضرت ﷺ نے سن کر فرمایا:

اما انه من اهل النار

(آگاہ ہوجاؤکہ وہ دوزخی ہے)

باالآخر کافروں سے لڑتے لڑتے یہ شخص شدید زخمی ہوا اور زخموں کی تکلیف سے گھبرا کر خود کشی کرلی-

حافظ عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ترجمۃالباب سے مناسبت یہ ہے کہ اس شخص نے اللہ کے لئے قتال نہیں کیا تھا بلکہ قوم کے لئے قومی حمیّت کے جوش میں قتال کیا تھا، اس لئے ایسا شخص شہید نہیں کہلاسکتا- انتہاءِ کلام، معلوم ہوا کہ جو شخص نبی کی حمایت میں کافروں سے بھی جنگ کرے مگر خدا کے لئے نہیں بلکہ قوم اور وطن کے لئے جنگ کرے تو ایسا شخص مجاہد اور شہید نہیں کہلاسکتا چہ جائیکہ قومی اور وطنی بھائیوں کے ساتھ ہو کر اسلامی بھائیوں سے لڑنے کے لئے تیارہو- حافظ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ میدانِ قتال میں سب سے پہلے یہ شخص یعنی قزمان نکلا اور سب سے پہلے اس نے کافروں پر تیر چلایا اور للکار کر یہ کہا کہ اے آلِ اَوس اپنے حسب ونسب یعنی قبیلہ اور قوم کی حفاظت کے لئے قتال کرو- قتادہ بن النعمان صحابیرضی اللہ عنہ کا جب اس شخص پر گزر ہوا تواس کی نازک حالت دیکھ کر یہ کہا :

هنيا لک الشهادة

(اے قزمان تجھ کو شہادت مبارک ہو-)

قزمان نے یہ کلمہ سن کر جواب دیا:

انى والله ماقاتلت على دين ما قاتلت الا على الحفاظ

"خدا کی قسم میں نے دینِ اسلام کے لئے قتال نہیں کیا، میں نے تو فقط قوم اور قبیلے کی حفاظت کے لئے قتال کیا ہے-"

صاف مطلب یہ تھا کہ قوم اور وطن کے لئے جنگ کرنے اور اس راہ میں مارے جانے سے آدمی شہید نہیں بنتا- محض خدا کے لئے جو قتال خدا کے دشمنوں سے ہو اس میں مارے جانے سے شہید بنتا ہے-

اس کے بعد اس شخص نے خود کشی کرلی- آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر

"تحقیق، اللہ تعالیٰ کبھی کبھی مردِ فاجر اور کافر کے ذریعے سے بھی اس دین کو قوت پہنچا دیتے ہیں."

یہ روایت عمدۃالقاری، صفحہ نمبر ۲۳۱ ،جلد نمبر ۶ ، "**باب لا یقال فلان شہید**" میں مذکور ہے-

حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ (ال عمران:۱۶۶)

"اور جو کچھ تم کو مصیبت پہنچی جس دن دو جماعتوں یعنی کافروں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا یعنی احد کے دن سو وہ اللہ کے حکم سے ہوا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ مؤمنین مخلصین اور منافقین ایک دوسرے سے متمیز اور جدا ہوجائیں اس لئے کہ مصیبت کے وقت میں اخلاص اور نفاق ظاہر ہوجاتا ہے-"

اس دن منافقین سے یہ کہا گیا کہ آؤ خدا کی راہ میں خدا کے لئے قتال کرو اور اگر خدا کی راہ میں نہیں لڑتے تو قومی اور وطنی حمیت کے لئے اپنی قوم اور وطن اور مال اور اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو-

کیونکہ اگر دشمن کامیاب ہوگیا تو انتقام لینے میں مؤمنین اور منافقین کی تمیز نہ کرے گا اور عام مسلمانوں کی طرح تم کو بھی نقصان اٹھانا پڑے گا- یہ آیت رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی، غزوۂ احد میں مسلمانوں نے خدا کے لئے قتال کیا اور عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے جو قتال کیا تو محض قومی اور وطنی حمیت کی بنا پر دشمن کی مدافعت کی جس سے صاف معلوم ہوا کہ قوم اور وطن کے لئے دشمن کی مدافعت کرنے کا نام جہاد نہیں _ آیت شریفہ میں جو "اَ ودفَعو" کو "قاتلوفی سبیل اللہ" کا قیم قرار دیا گیا ہے اس کا یہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا-

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ مسلمان (جنگِ بدر میں) مشرکین کی تعداد بڑھانے کے لئے اہلِ مکہ کے ساتھ رسول اللہﷺ کے مقابلہ میں نکلے اور بدر کی لڑائی میں یہ مسلمان جو کافروں کی فوج میں شریک تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ سے مارے گئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء:۹۷)

"تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نےروح قبض کی در آں حالیکہ انھوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا تو فرشتوں نے ان سے بطور زجروتوبیخ یہ کہا کہ تم کس حال میں تھے ان ظالموں نے کہا کہ ہم

سرزمینِ کفر میں مغلوب اور مجبور تھے فرشتوں نے کہا کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ وطن کوچھوڑ کروہاں چلے جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور برا ٹھکانہ ہے۔

یہ آیت جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے باوجود دعویٔ اسلام کے قوم اور وطن کے ساتھ ہوکراسلام کا مقابلہ کیا اور قومی اور وطنی کافروں کے لشکر میں ہوکر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے۔ (اعاذنا اللہ من ذلک)

خلاصۂ کلام

یہ کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے جو جنگ کی جائے اس کا نام جہاد ہےاور وطنی کافروں کے ساتھ مل کر غیر وطنی کافروں سے بِلا لحاظِ اسلام محض وطن کی آزادی کے لئے جنگ کرنے کا نام ہرگز ہرگز جہاد نہیں، حضراتِ انبیاءِ کرام نے اپنے ہم وطن کافروں سے نہ کبھی اتحاد کیا اور نہ ان کے ساتھ مل کر کوئی مشترک حکومت بنائی بلکہ اپنے اصحاب کو لے کرہجرت فرمائی اوراپنی قوم کے کافروں سے ہٹ کر اپنا الگ ٹھکانہ بنایا اور جہاد کی تیاری کی اور سب سے پہلے اپنی کافرقوم پر حملہ آور ہوئے اور اس کو فتح کیا۔ ہر رسول نے سب سے پہلے اپنی قوم کے کافروں سے جہاد کیا غیر قوم کے کافروں سے بعد میں جہاد کیا۔

كَمَا قَالَ تَعالٰی:

" قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً "

حضور پُر نورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام غزوات اور جہادات اپنی ہی قوم اور اپنے ہی خویش و اقارب اور اپنے ہی اعزاء اور احباب ہی سے تو تھےکسی غیر ملکی اور اجنبی قوم سے تو نہ تھے، جنگِ بدرمیں مہاجرین کے سامنے کسی کا باپ تھا اور کسی کا لختِ جگر اور کسی کا بھائی اور کسی کا چچا اور کسی کا ماموں اور عام رشتہ داری تو سبھی سے تھی محض اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے لئے صحابۂ کرام کی تیغ بے دریغ بے نیام تھی رضی اللہ عنہم ورضواعنہ۔

واہ واہ! ایمان ایسے ہی عشق کا نام ہے جس کے سامنے لیلیٰ اور مجنوں کی تمام داستانیں گرد ہیں اور قرآن و حدیث جو ہجرت کے فضائل سے بھرا پڑا ہے اس ہجرت کا مطلب یہی توہےکہ خدا اور اس کے رسول کے لئے اپنے ماں اور باپ اور بیوی اور بچوں اور خویش و اقارب سب کو چھوڑ دینا ، قوم کا تو ذکر ہی کیا ہے، صحابۂ کرام نے جب ہجرت کی تو جس کی رفیقۂ حیات اور محبوب بیوی نے کفر کو اسلام کے مقابلے میں ترجیح دی طلاق دے دی اور بیوی ،بچوں اور مال دولت اور گھر بار چھوڑ کر نبی کے پیچھے ہوئے اور مدینہ کا راستہ پکڑا **رضی اللہ عنہم و حشر نا فی زمرتھم و اماتنا علے حُبھم وسیرتھم آمین یا رب العالمین۔**

اے میرے عزیزو،اے میرے دوستو، قومیت اور وطنیت ایک فتنہ ہے۔ بت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی کا درجہ ہے۔ اور کفر دون کفر اور شرک دون شرک اور ظلم دون ظلم کا مصداق ہے۔

"**انـما المؤمنون اخوة** " اور "**ان الكافرين كانو ا لكم عدوا مبينا**"، کو پیشِ نظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنا بھائی اور روئے زمین کے کل کافروں کواپنا ایک دشمن سمجھو۔

نکتہ:

حق تعالیٰ نے "**ان الکافرین**" (جو کہ جمع ہے) اس کی خبر"**عدوا مبینا**" ذکر فرمائی ہے جو کہ مفرد ہے" اعداء" نہیں فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ روئے زمین کے تمام کافر مسلمانوں کی عداوت میں بمنزلہ ایک دشمن اور بمنزلہ شخصِ واحد کے ہیں جس میں ذرّہ برابر تعدد اور اختلاف نہیں۔ **وَوَاللہ لقد صدق اللہ العظیم و انا علیٰ ذلک من الشاھدین والمشاھدین۔**

قوم پرستوں کا ایک مغالطہ

قوم پرستوں کا یہ کہنا کہ ایک وطن اور ایک ملک کے باشندے سب ایک قوم ہیں یہ ان کا مغالطہ اور دھوکہ ہے، اس گروہ کا ایک خاص نظریہ اور خاص عقیدہ ہے جو شخص اس عقیدہ اور نظریہ میں ان کا موافق اور ہم خیال ہے وہ ان کا دوست ہے اگرچہ وہ دوسرے ملک اور دوسرے وطن کا باشندہ ہو اور جو شخص اس نظریہ اور اس عقیدہ میں ان کا مخالف ہو ان کا دشمن ہے اگرچہ وہ ان کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا استاد ہی کیوں نہ ہو۔

مشرق اور مغرب کے باشندے جو اشتراکی عقیدہ رکھتے ہوں وہ دونوں باوجود بعد المشرقین کے قریب اور ایک ہیں اور دو حقیقی بھائی ایک گھرکے رہنے والے اگر مختلف المسلک ہوں تو وہ دونوں ایک دوسرے سے غایت درجہ بعید ہیں معلوم ہوا کہ اتحاد کا دارومدار وطنیت اور قومیت پر نہیں بلکہ اتحاد کا معیار اور مدار، اتحادِ مسلک پر ہے پس اگر شریعت اتحاد اور اخوت کا مدار اسلام اور کفر پر رکھتی ہے تو اس کو تعصّب اور تنگ نظری کیوں بتاتے ہو۔

شریعت کے کل احکام اسی ایمان اور کفر کی تقسیم پر مبنی ہیں مسلمان اور کافر ایک دوسرے کا وارث نہیں اسی اسلامی تعلق سے بلال حبشی اور صہیب رومی اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اجمعین ، اسلامی برادری میں شامل ہوگئے اور ابو جہل اور ابو لہب باوجود قرابت قریب کے بعید ہوگئے اور ابو طالب جیسا جان نثار چچا اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ سے نمازِ جنازہ اور مقابرِ مسلمین میں دفن سے محروم رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ابوطالب کے لئے دعاء مغفرت کا ارادہ فرمایا تو ممانعت کی آیت نازل ہوگئ :

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ

اور قیامت تک کے لئے حکم نازل ہوگیا کہ کافر اور مشرک رشتہ داروں کے لئے دعاء مغفرت بھی جائز نہیں۔

فومن احب لا عصینک فی الھویٰ
قسماً بہٖ و بحسنہٖ و بہائہٖ



اصلاحِ نفس

اللہ کا ذکر کثرت سے کریں

مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

رسول

اللہ ﷺ نے مراقبۂ ذاتِ حق کا حکم فرمایا:

حقیق بالمرء ان یکون لہ مجالس یخلو فیھا ویذکر ذنوبہ فیستغفر اللہ منھا

«انسان کے لیے کچھ خلوت کی مجلسیں ضروری ہیں جن میں وہ اپنے گناہوں کو یاد کرکے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے مغفرت طلب کیا کرے۔»

اس آیت میں محاسبہ کی تاکید فرمائی گئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۸)

«اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کل کے لیے بھیجے ہوئے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے۔»

یہاں تقویٰ اختیار کرنے کے لیے محاسبۂ اعمال کا حکم فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبۃ:۱۱۹)

«اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔»

اس آیت میں تحصیلِ تقویٰ کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ صادقین کے ساتھ رہ پڑو، یعنی کثرتِ صحبتِ صادقین:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸)
(خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ ذکر اللہ سے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے اور اوپر آیتِ کریمہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کی تفسیر میں بیان ہوا کہ سکونِ قلب سے نماز سہل ہوجاتی ہے۔ جس سے حبِ جاہ زائل ہوتی ہے، جس سے فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے۔

«ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ» یعنی جو شخص خلوت میں ذکر اللہ کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اسے اللہ تعالی ایسے قرب سے نوازتے ہیں کہ قیامت کے روز اس کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دیں گے۔ جبکہ لوگ تمازت سے پریشان ہوں گے اور پسینے میں ڈوب رہے ہوں گے۔

غرض یہ کہ مراقبہ، محاسبہ، صحبتِ اولیاء اللہ اور کثرتِ ذکر سے علم و معرفت میں ترقی ہوتی ہے، جس سے تقویٰ، خشوع اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کثرتِ ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (الاحزاب:۴۲،۴۱)
«اے ایمان والو! اللہ تعالی کو کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام ان کی تسبیح بیان کیا کرو۔»

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (الاعراف:۲۰۵)
«اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی بہ نسبت کم آواز سے صبح اور شام اور اہلِ غفلت میں سے نہ ہو۔»

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النساء:۱۰۳)
«جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر۔»

اس میں ارشاد ہے کہ نماز میں جو اللہ تعالی کا ذکر ہے اس کو کافی سمجھ کر نماز کے بعد ذکر سے غافل نہ ہوجاؤ بلکہ بعد میں بھی ہر حالت میں اللہ تعالی کے ذکر میں مشغول رہو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الجمعۃ:۱۰)
«جب نماز سے فراغت ہوجائے تو زمین میں چلو پھرو اور روزی تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔»

اس میں ارشاد ہے کہ نماز سے فارغ ہوکر دنیوی کاروبار میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی ذکر اللہ سے غفلت نہ ہونے پائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لایزال لسانک رطبا من ذکر اللہ»

(تیری زبان ذکر اللہ سے تر رہے۔)

«اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ مجنون»

(ذکر اللہ اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔)

حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

این قدر گفتیم باقی فکر کن
فکر گرجامد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید این افسردہ ساز

«اس قدر ہم نے کہہ دیا آگے فکر کرو، اگر فکر میں حرکت نہیں تو ذکر کرو۔
ذکر فکر کو حرکت میں لاتا ہے جس طرح آفتاب برف پگھلادیتا ہے۔»

نتیجہ یہ نکلا کہ علم موقوف ہے کثرتِ ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور صحبتِ اولیاء اللہ پر۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی کئی روز تک مراقبہ اور تخلیہ کروانے کے بعد علم و عرفان سے آپ ﷺ کا تحلیہ (آراستہ کرنا) فرمایا گیا۔

اذکار و اشغال کی حقیقت:

پس ابتداء تو یہ اذکار و اشغال، مرضِ جہل سے نجات حاصل کرنے کے لئے بطور علاج ضروری ہیں مگر جب ان کی بدولت علم اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ و خشوع کی نعمت مل جاتی ہے تو یہ اذکار و اشغال خود مرض بن کر عاشق پر مسلط ہو جاتے ہیں۔جیسے کسی مرض کے لئے افیون یا تمباکو استعمال کروایا جائے جس سے اصل مرض کا علاج تو ہوجائے مگر خود افیون یا تمباکو کی عادت کا لاعلاج مرض ہمیشہ کے لئے سوہانِ روح بن جائے۔ ابتداء میں انسان علاج کے طور پر بادل نخواستہ ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے مگر کچھ وقت کے بعد یہ اذکار و اشغال ایسا پکڑتے ہیں کہ ان سے بچنا نا ممکن ہو جاتا ہے۔

مکتبِ عشق کا دنیا سے نرالہ دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

اسی حالت کے بارے میں حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اب تو چھوڑے سے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا
حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اذکار و اشغال میں یہ فرق ہے کہ اشغال خود مقصود نہیں صرف ذریعۂ مقصود ہیں اور اذکار ذریعۂ مقصود ہونے کے علاوہ بذاتِ خود بھی مقصود ہیں، ارشاد ہے:

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدۃ:۸۳)
«اور جب وہ ان کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں۔»

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال: ۲)
« ایمان والے تو صرف وہ ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے ان کے قلوب ڈر

جاتے ہیں۔»

وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الحج:۳۴،۳۳)

« اور آپ گردن جھکا دینے والوں کو خوش خبری سنادیجئے ،جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔»

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر:۲۳)

« اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے- بار بار دہرائی گئی ہے، جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔»

اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ یَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا (الاسراء:۱۰۷-۱۰۹)

« جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو تھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہی ہوتا ہے اور تھوڑیو ں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔»

عشاقِ الٰہیہ کے حالات:

اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا (مریم:۵۸)

« جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر جاتے تھے۔»

یعنی کثرتِ ذکر و مراقبات سے ان پر ایسی رقتِ قلب طاری ہوجاتی ہے کہ اپنے محبوب کی باتیں سن کر ان کے قلوب پر زلزلہ آنے لگتا ہے، وریدوں کا خون گرما جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، روتے ہوئے بے ساختہ سجدے میں گرجاتے ہیں اور آنکھوں سے سیلِ اشک جاری ہوجاتا ہےجو اس قدر کثرت سے بہتا ہے کہ گویا خود آنکھیں ہی بہی جارہی ہیں۔

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہادے ادھر مجھے

از حال خود آگہ نیم جز این قدر دا نم کہ تو
ہر گہ بخاطر بگزری اشکم زد امان بگزرد

« مجھے بے خودی میں سوائے اس کے کچھ خبر نہیں کہ جب بھی دل میں تیرا خیال گزرتا ہے میرے آنسو دامن سے گزر جاتے ہیں یعنی زمین تک پہنچ جاتے ہیں۔»

محبوبِ حقیقی نے اپنے عشاق کے مراقبہ، محاسبہ، کثرتِ ذکر کثرتِ صلوٰۃ اور قیام لیل کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بار بار دہرایا ہے- فرماتے ہیں:

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ (النور : ۳۷)

«وہ ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔»

یعنی قیامت کی ہولناکیوں کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (المؤمنون:۶۰)

« وہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔»

اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ حسنات قبول بھی ہوئیں یا نہیں؟

وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا (الفرقان : ۶۴)

« راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔»

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (الذاریات:۱۸،۱۷)

«وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھےاور آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔»

اس میں اولاً مادۂ قلّت، ثانیاً اس کی تنکیر للتقلیل، ثالثاً من تبعیضیہ، رابعاً ما تاکید یہ لا کر کس شان کے ساتھ ان کے قیامِ لیل کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رات کو بہت ہی کم سوتے ہیں اور جب رات قریب الختم ہوتی ہے تو رات بھر کی عبادت کا محاسبہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی عبادت نہ کرسکے، «ما عبدناک حق عبادتک» (تیری شان کے لائق ہم عبادت نہ کرسکے)- اپنی عبادت کا نقص سامنے آتا ہے اس پر استغفار کرتے ہیں۔

نیکیاں یارب مری بدکاریوں سے بد ہوئیں
وہ بھی رسوا کن ترے دربار میں بے حد ہوئیں

یہ عشاق اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے بھی خود کو قصوروار ہی سمجھتے ہیں۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال:۴۵)

«اورانہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکرکیا۔»

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا (الاحزاب:۲۱)

(اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو۔)

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (ال عمران: ۱۹۱)

«وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی،بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔»

یعنی کثرتِ ذکرومراقبۂ قدرت میں لگے رہتے ہیں

شاندار ماضی



جامعہ قرطبہ اندلس

عمر عبد الحکیم

بنو امیہ کا دورِ خلافت ۴۱ ھ - ۱۳۲ ھ

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح اور ان کو خلافت حوالے کرنے کے بعد سے خلافت بنو امیہ کی طرف منتقل ہوئی، اور اسی سے خلافتِ راشدہ اپنے اختتام کو پہنچی، اور حدیث میں وارد "المُلک العضوض " یعنی ظالم بادشاہتوں کا زمانہ بھی خلافتِ بنو امیہ سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ واضح رہے کہ تمام خلفاء اس میں شامل نہیں ہیں ، بلکہ بہت سے خلفاء اس سے مستثنی ہیں، جیسا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اور دیگر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَوَّلُ هَـذِهِ الْأُمَّـةِ نُبُـوَّةٌ وَرَحْمَـةٌ، ثُـمَّ خِلَافَـةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُـمَّ مُلْكٌ عَضُـوضٌ، ثُمَّ تَصِـيرُ جَبْرِيَّـةً وَعَبَثًـا

اور اسی طرح فرمایا:

الخلافـة بعدي ثلاثون سـنة ثـم تصير ملـكا عضوضا (رواہ احمد)



خلافتِ بنو امیہ کا اجمالی خاکہ

خلافتِ بنو امیہ دو حصوں پر مشتمل تھی

۱۔ سفیانی

۲۔ مروانی

۱۔ سفیانی دور:

یہ وہ دور ہے کہ جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنےاور آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے بیٹے یزید اور اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے پوتے معاویہ بن یزید خلیفہ بنے۔ یہ سفیانی دور رتیئیس (۲۳) سال پر مشتمل رہا۔

۲۔ مروانی دور:

یہ وہ دور ہے جو کہ مروان بن حکم کے خلیفہ بننے سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی مدت ۶۴ھ سے ۱۳۲ھ تک اڑسٹھ (۶۸) سال رہی۔ یہ دور بھی پھر دو حصوں میں تقسیم ہے، پہلا دور ۶۴ھ میں مروان بن حکم سے شروع ہو کر خلیفہ ہشام بن عبد الملک بن مروان کی وفات پر ختم ہوتا ہے، اور دوسرا دور بنو امیہ کے آخری خلیفہ پر ختم ہوتا ہے۔بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن حکم کے پوتے مروان بن محمد بن الحکم تھے، جو کہ بنو امیہ کے آخری خلیفہ ثابت ہوئے۔

بنو امیہ کا دورِ خلافت ۱۳۲ ھ تک کُل اکانوے (۹۱) سال رہا۔ اس دوران چودہ (۱۴) خلفاء برسر اقتدار آئے۔ ان میں سے سب سے عظیم الشان خلیفہ سیدنا و مولانا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تھے۔ اسلامی حکومت کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کے دور میں بہت عزت عطا فرمائی اورسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی سرحدات کو بہت وسعت ملی ۔ اسی طرح عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک اور ان کے بھائی ہشام بن عبد الملک کے دور بھی اس حوالے سے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی مدتِ خلافت اکہتر (۷۱) سال رہی۔ خلافتِ اموی اصل میں اِن ہی مذکورہ خلفاء کی خلافت تھی اور ان کے دور گزرجانے کے بعد اس کا سورج غروب ہونا شروع ہوگیا۔ ان کے دور میں اسلامی سلطنت مغربِ اقصیٰ سے لیکر چین تک پھیل گئی تھی۔

خلافتِ بنو امیہ کے زوال کے بنیادی اسباب میں سے ایک بڑا سبب خلافت و حکومت کے حصول کی رسہ کشی تھا۔ اس کے علاوہ خوارج کے فتنے نے بھی اموی خلافت کو بہت کمزور کیا، اور ساتھ ساتھ مُضر اور یمن کے قبیلوں کے درمیان قومیت کی بنیاد پر آپس کی جنگیں بھی اس کے زوال کا ایک بڑا سبب تھا۔

بنو امیہ کے خلفاء اور ان کی مدتِ خلافت ۶۶۱ء – ۷۵۰ء:

۱ .سیدنا ومولانا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ۶۶۱ء- ۶۸۰ء

۲ .یزید بن معاویہ ۶۸۰ء - ۶۸۳ء: تین سال اور آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۳۸ سال کی عمر میں ربیع الاول ۶۴ ھ میں انتقال ہوا۔

۳ .معاویہ بن یزید: چالیس دن حکومت کرنے کے بعد۶۴ھ میں ۲۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۴ .مروان بن الحکم ۶۸۳ء- ۶۸۵ء: ایک سال دس ماہ حکومت کرنے کے بعد رمضان ۶۵ھ میں ۷۱ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۵ .عبد الملک بن مروان ۶۸۵ء-۷۰۵ء: اکیس سال حکومت کرنے کے بعد۸۶ھ میں ۶۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۶ .ولید بن عبد الملک۷۰۵ء-۷۱۵ء: نو سال آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۹۶ھ میں ۴۸ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۷ .سلیمان بن عبد الملک:۷۱۵ء- ۷۱۸ء: دو سال اور آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد۹۹ھ میں۴۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۸ .عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ۷۱۸ء- ۷۲۰ء: دو سال اور پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد"رجب" ۱۰۱ ھ میں ۴۰ سال کی عمر میں زہر دے کر شہید کیے گئے۔

۹ .یزید بن عبد الملک بن مروان ۷۲۰ء- ۷۲۴ء: چار سال ایک ماہ حکومت کرنے کے بعد ۳۸ سال کی عمر میں شعبان ۱۰۵ھ میں انتقال ہوا۔

۱۰. ہشام بن عبد الملک بن مروان ۷۲۴ء- ۷۴۳ء: انیس سال اور سات ماہ حکومت کرنے کے بعد ربیع الآخر ۱۲۵ھ میں ۵۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۱۱. ولید بن یزید بن عبد الملک ۷۴۳ء-۷۴۴ء: ایک سال دو ماہ حکومت کرنے کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۲۶ھ میں ۳۸ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۱۲. یزید بن ولید بن عبد الملک ۷۴۴ء- ۷۴۴ء: پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد ذو الحجہ ۱۲۶ھ میں ۴۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۱۳. ابراهیم بن الولید بن عبد الملک ۷۴۴ء- ۷۴۴ء: ستر دن حکومت کرنے کے بعد معزول کردیے گئے اور ساٹھ سال کی عمر میں ربیع الاخریٰ میں ۱۳۲ ھ میں انتقال ہوا۔

۱۴. مروان بن محمد بن مروان بن الحکم ۷۴۴ء - ۷۵۰ء: پانچ سال حکومت کی اور ساٹھ سال کی عمر میں ذو الحجہ ۱۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

بنو امیہ کے دورِ خلافت کی فتوحات:

سیدنا معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت (۴۱ھ-۶۰ھ) :

- آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی فتوحات کی شرح بہت بلند رہی۔ مشرق میں ماوراء النہر (موجودہ افغانستان سے شمال کی طرف) تک کا علاقہ فتح کیا گیا، جس میں بخاریٰ بھی شامل ہے۔
- امیرِ افریقہ معاویہ بن حدیج رحمہ اللہ کی قیادت میں مسلمان افریقہ میں داخل ہوئے اور متعدد مرکزی علاقے فتح کیے۔
- عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں بھی بہت سے علاقوں میں اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا۔
- خراسان اور سجستان بغاوتوں کے بعد ایک دفعہ پھر سے فتح کیے گئے۔
- مغرب میں اہلِ روم پر پے در پے حملوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔
- ۴۸ ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ روم کے دارالحکومت "قسطنطنیہ" کے دفاعی حصار کی تفصیلات کا اندازہ لگانے کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ ۵۳ھ میں اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں "قسطنطنیہ" پر حملے کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ اس لشکر میں جلیل القدر صحابیٔ رسول سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ لشکر مسلسل سات سال "قسطنطنیہ" کے محاصرے کے بعد واپس ہوا۔ اس دوران ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ انتقال فرماگئے اور "قسطنطنیہ" کے قلعے کی دیواروں کے پاس دفن کیے گئے۔

یزید بن معاویہ کا دورِ حکومت (۶۰ھ – ۶۴ھ):

- عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ افریقہ میں داخل ہوکر مغربِ اقصیٰ کے ساحلوں تک پہنچ گئے۔
- مسلمانوں نے ماوراء النہر کے علاقوں میں سے "خوارزم" پر اپنے غزوات کا آغاز کیا۔

یزید کے دور میں فتوحات بہت کم رہیں، اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس کا دورِ حکومت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے کش مکش میں گزرا، جس کی انتہاء سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوئی۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف اپنی خلافت کا اعلان کیا، چناں چہ یزید اپنے دورِ حکومت میں داخلی مشکلات میں گھرا رہا اور خارجی فتوحات کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکا۔

عبد الملک بن مروان کا دورِ حکومت (۶۴ھ – ۸۶ھ):







بنو امیہ مسجد دمشق

عبد الملک بن مروان کے دورِ حکومت میں بھی اسلامی فتوحات اپنی جگہ رکی رہیں ، سوائے ماوراء النہر کے بعض علاقوں کے۔ اس کا بنیادی سبب بھی داخلی مشکلات میں مصروف رہنا تھا۔ عبد الملک بن مروان اپنے دورِ حکومت کا ایک حصہ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگوں میں مصروف رہے۔ اس کے علاوہ روافض اور خوارج نے بھی ان کو اسلامی سرحدات کو ترقی دینے سے مصرف رکھا۔ان داخلی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوکر انہونے مال دے کر اہلِ روم سے اسلامی سرحدات پر حملے نہ کرنے کی صلح کی۔

ولید بن عبد الملک کا دورِ حکومت (۸۶ھ – ۹۶ھ):

ولید بن عبد الملک کے دور میں فتوحات کا سلسلہ پھر سے بڑھ گیا:

- ولید کے بھائی مسلمۃ بن عبد الملک نے آذربائی جان پر اپنے غزوات کا آغاز کیا اور وہاں بہت سے قلعے فتح کرلیے۔
- ماوراء النہر میں قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ نے بہت سے علاقے فتح کیے، جن میں بخاریٰ، سمرقند، فرغانہ اور کاشان بھی شامل ہیں۔ ولید کے دور میں قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ کی فتوحات کا سلسلہ نہرِ جیحون کے ڈیلٹا تک پہنچ چکا تھا۔
- افریقہ کے محاذ پر امیر افریقہ موسی بن نصیر رحمہ اللہ نے مغربی افریقہ کو مکمل فتح کرلیا۔ انہوں نے عیاش بن آشیل کی سربراہی میں ایک بحری لشکر جزیرہ صقلیہ کی طرف بھیجا جو کہ فاتح ہوکر غنائم کے ساتھ لوٹا۔
- ۹۳ ھ میں موسی بن نصیر رحمہ اللہ نے اپنے ایک غلام طارق بن زیاد رحمہ اللہ کی قیادت میں ایک لشکر اندلس کی طرف بھیجا، جو کہ افریقہ سے سمندر پارکر کے اندلس (موجودہ اسپین) پہنچا اور وہاں اپنے مبارک غزوات کا آغاز کیا۔ بعد میں موسی بن نصیر بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان سے آملے اور اندلس کے بہت سے علاقوں کی فتح میں ان کے ساتھ شریک رہے۔
- سندھ و ہند کے محاذ پر محمد بن قاسم الثقفی رحمہ اللہ اپنے لشکر کے ساتھ ہند میں داخل ہوگئے اور وہاں متعدد علاقے مشرک ہندوؤں اور سکھوں سے آزاد کراتے ہوئے ملتان تک جا پہنچے۔

سلیمان بن عبد الملک کا دورِ خلافت (۹۶ھ – ۹۹ ھ):

- سلیمان بن عبد الملک کے دور میں قتیبہ بن مسلم کی فتوحات کا سلسلہ چین کی حدود تک پہنچ گیااور "کاشغر" فتح کرلیا گیا۔
- دوسری طرف اندلس (اسپین) میں عبد العزیز بن موسی نے اپنے والد "موسی بن نصیر" کی نیابت میں اپنے مبارک غزوات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے متعدد علاقے صلیبیوں سے چھین کر اسلامی سلطنت میں داخل کیے اور وہاں اسلام کا کلمہ بلند کیا۔
- اسی دوران "یزید بن مھلب" امیرِ خراسان نے جرجان ، قھستان اور طبرستان کے علاقے فتح کیے۔
- سلیمان بن عبد الملک رحمہ اللہ نے عمر بن ہبیرہ کی قیادت میں ایک بحری لشکر ، اور اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کی قیادت میں ایک بری لشکر فتح قسطنطنیہ کے لیے بھیجا، جس نے ایک لمبے عرصے تک قسطنطنیہ کا بحری و بری دونوں طرح سے محاصرہ کیے رکھا۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو انہوں نے چند وجوہات کی بناء پر اس لشکر کو واپسی کا حکم دیا، چناں چہ اس طرح قسطنطنیہ کا یہ محاصرہ ختم ہوا۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا دورِ خلافت (۹۹ھ – ۱۰۱ھ):

- عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دور میں مسلمان مجاھدین امیرِ اندلس سمح بن مالک رحمہ اللہ کی قیادت میں فرانس تک جا پہنچے۔

آپ رحمہ اللہ کا دور چوں کہ بہت مختصر تھا اس لیے آپ کے دور میں زیادہ خاطر خواہ فتوحات نہ ہوسکیں۔

یزید بن عبد الملک کا دورِ حکومت (۱۰۱ھ – ۱۰۵ھ):

یزید بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں مجاھدینِ اسلام "عنبسہ بن سحیم "کی قیادت میں اندلس کی طرف سے فرانس میں داخل ہوگئے اور اسلامی بحری بیڑوں نے فرانس اور اٹلی کے جنوب میں واقع جزیرہ صقلیہ اور



بنو امیہ مسجد دمشق

جزیرہ سردینیہ پر حملوں کا آغاز کردیا۔

ہشام بن عبد الملک کا دورِ حکومت (۱۰۵ھ – ۱۲۵ھ):

ہشام بن عبد الملک کے دور میں اسلامی فتوحات اپنے عروج کو پہنچ گئی تھیں:

- اسد بن عبد اللہ القسری نے خراسان کی طرف سے ترکستان پر اپنے حملوں کا آغاز کیا۔
- حجاج بن عبد الملک بن مروان نے آرمینیہ اور اس کے اردگرد کے علاقے فتح کر کے ان پر اسلامی جزیہ مقرر کیا۔
- جنید بن عبد الرحمٰن المری کی قیادت میں سندھ کے مزید علاقے فتح ہوئے۔
- فرانس کے جنوب مغربی علاقے پر عبد الرحمٰن الغافقی رحمہ اللہ نے حملہ کیا اور متعدد علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرایا، پھر فرانس کے شمالی علاقوں کی طرف اپنی فتوحات کا رخ پھیرا، وہاں ۱۱۴ھ میں ایک سخت معرکے میں عبدالرحمٰن کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئی۔ اس معرکے کا نام اسی مناسبت سے "بَلَاطُ الشہداء" (شہداء کی زمین) مشہور ہوا۔عبد الرحمٰن کی شہادت کے بعد ان کی جگہ عبد الملک بن قطن امیر بنے اور انہوں نے بھی وہاں غزوات کا سلسلہ جاری رکھا۔
- افریقہ کے محاذ پر افریقہ کے امیر عبید اللہ بن الحبحاب رحمہ اللہ نے حبیب بن ابی عبیدہ الفہری کی قیادت میں ایک لشکر سوس اور سوڈان کے غزوات کے لیے بھیجا۔
- بحرِ متوسط میں اسلامی بحری فوج نے حسان بن محمد بن ابو بکر جزیرتی رحمہ اللہ کی قیادت میں سارڈینیا اور کورسیکا کے جزائر پر اپنا مبارک جہاد شروع کیا۔
- اسی طرح ایک اور اسلامی بحری بیڑے نے ۱۲۲ھ میں حبیب بن ابو عبیدہ الفہری اور ان کے بیٹے عبد الرحمٰن کی قیادت میں جزیرہ صقلیہ پر حملہ کیا اور اس کا ایک بڑا حصہ فتح کرلیا۔
- اس کے علاوہ اہلِ روم سے غزوات کا سلسلہ بھی حسبِ سابق اپنے عروج پر رہا۔

مروانی خلافت کا دوسرا دور:

ہشام بن عبد الملک کی وفات کے ساتھ ہی خلافتِ بنو امیہ کے مروانی دور کا پہلا شاندار حصہ ختم ہوجاتا ہے، اس دور میں اسلامی سلطنت اسپین، بحرِ اوقیانوس اور مغربِ اقصیٰ سے لے کر ہند اور چین تک پھیل گئی، اسی طرح بحرِ اسود اور آرمینیہ سے لے کر ہند کے ساحلوں تک جا پہنچی۔

ہشام بن عبد الملک رحمہ اللہ کی وفات کے بعدمروانی خلافت کا دوسرا اور آخری دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔ اس دوسرے دور کا دورانیہ چھ (٦) سال رہا اور اس میں درجِ ذیل چار خلفاء مسندِ خلافت پر بیٹھے:

۱۔ ولید بن یزید بن عبد الملک

۲۔ یزید بن ولید بن عبد الملک

۳۔ ابراہیم بن ولید بن عبد الملک

۴۔ مروان بن محمد بن مروان بن الحکم

ان میں سے پہلے تین کی خلافت کی مدت کچھ ہی مہینے ہے۔ باقی عرصہ (۱۲۷ھ – ۱۳۲ھ) مروان بن محمد بن مروان بن الحکم خلیفہ رہے۔ مروان اپنے دورِ خلافت میں ہمہ جہت داخلی فتنوں میں گھرے رہے اور اسی حالت میں ان کے قتل پر خلافتِ بنو امیہ کا اختتام ہوا۔ بالآخر اس عظیم خلافت کا وہ جھنڈا لپیٹ دیا گیا جس کے جھنڈے تلے اسلام کا جھنڈا دنیا کے ایک عظیم حصے پر پھیلارہا۔

بنو امیہ کو خلافت منتقل ہونے کے نتائج:

سیاسی میدان میں :

۱۔ خلیفہ کی بیعت کا شرعی طریقۂ کار بدل دیا گیا اور خلافت کو وراثت بنالیا گیا:

خلافت ایک خلیفہ سے اس کے بیٹے یا متعدد بیٹوں کو بالترتیب منتقل ہونے لگی، جیسا کہ عبد الملک بن

مروان نے کیا کہ اس نے اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کو اپنی زندگی میں ہی اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ چناں چہ خلیفہ کی بیعت اور انعقاد کا اسلامی طریقۂ کار تبدیل کر دیا گیا۔خلفاء راشدین کے دور میں خلیفہ کی بیعت کا دارومدار شوریٰ کی بیعت اور کتاب اللہ اور سنت پر عمل پر ہوتا تھا۔ اس وقت خلیفہ کی بیعت مدینہ میں موجود اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اوراہلِ عقل لوگوں میں سے "اہل الحل والعقد" سے لی جاتی تھی۔لیکن بعد میں خلافتِ امیہ میں خلافت کی بیعت دار الخلافہ (دمشق) میں عوام سے خلیفہ اور ان کے بڑے عہدے داروں کی موجودگی میں لی جاتی ۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ خلیفہ اپنے ولی عہد کے لیے اپنی زندگی میں ہی لوگوں سے بیعت لے لیتا۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اس بیعت کو رد کرے، اگر بالفرض کوئی اس کو رد کرتا تو خلیفہ کے غصے اور جبر کا مستحق بنتا۔

۲۔ دار الخلافہ، دمشق منتقل کر دیا گیا:

اس سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کے دور میں دار الخلافہ کوفہ (عراق) میں، اور اس سے پہلے مدینہ منورہ میں تھا۔

۳۔ حکومت بنو امیہ کی طرف منتقل ہوگئی۔

٤۔ سلطنتِ اسلامیہ کو سیاسی اسَتقرار حاصل ہوا:



خلفاء راشدین کے دور میں فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، خلافتِ بنو امیہ میں وہ فتوحات اپنی انتہاء کو پہنچیں اور اس کے پورے ثمرات اسی دور میں حاصل ہوئے۔ اسلامی سرحدات مشرق میں چین سے لے کر مغرب میں اندلس اور مراکش تک، اور شمال میں قفقاز سے لے کر جنوب میں بجیرہ عرب تک پھیل گئی تھیں۔ خلافتِ بنو امیہ میں یہ تمام علاقے اسلامی حکومت کے زیر سایہ تھے اور یہاں اسلام کا قرآنی پاک نظام صدیوں تک نافذ رہا۔

۵۔ خلافت کا نظام عام بادشاہتوں کے مشابہ ہوگیا:

حکومت پر دینی اثر سے زیادہ دنیوی اثر غالب ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی کہ " ان السلطان والقرآن سیفترقان" (بادشاہ اور قرآن جدا ہو جائیں گے " نے عملی شکل اختیار کرلی۔

اقتصادی میدان میں:

اسلامی حکومت کے دنیا پر غلبے کی وجہ سے دنیا کے تجارتی راستے تبدیل ہوگئے اور اکثر تجارت شام اور مصر کی بندرگاہوں کے ذریعے ہونے لگی۔ عالم اسلام کے بڑے شہر جیسے شام ، عراق، خراسان، شمالی افریقہ اور اندلس کے مراکز دنیا کے تجارتی مراکز بن گئے۔جن میں سر فہرست خلافت کا دارالحکومت دمشق تھا، جو کہ پوری دنیا کے لیے سب سے بڑا تجارتی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ پوری دنیا کے تجارتی قافلے وہاں امن کے ساتھ آتے اور اپنے تجارتی فوائد سمیٹتے۔ اس کی وجہ سے دنیا کے شرقی علاقوں چین، ہند اور سند وغیرہ کا بلادِ روم سے تجارتی رابطہ بھی جڑا ہوا تھا۔



علمی میدان میں:

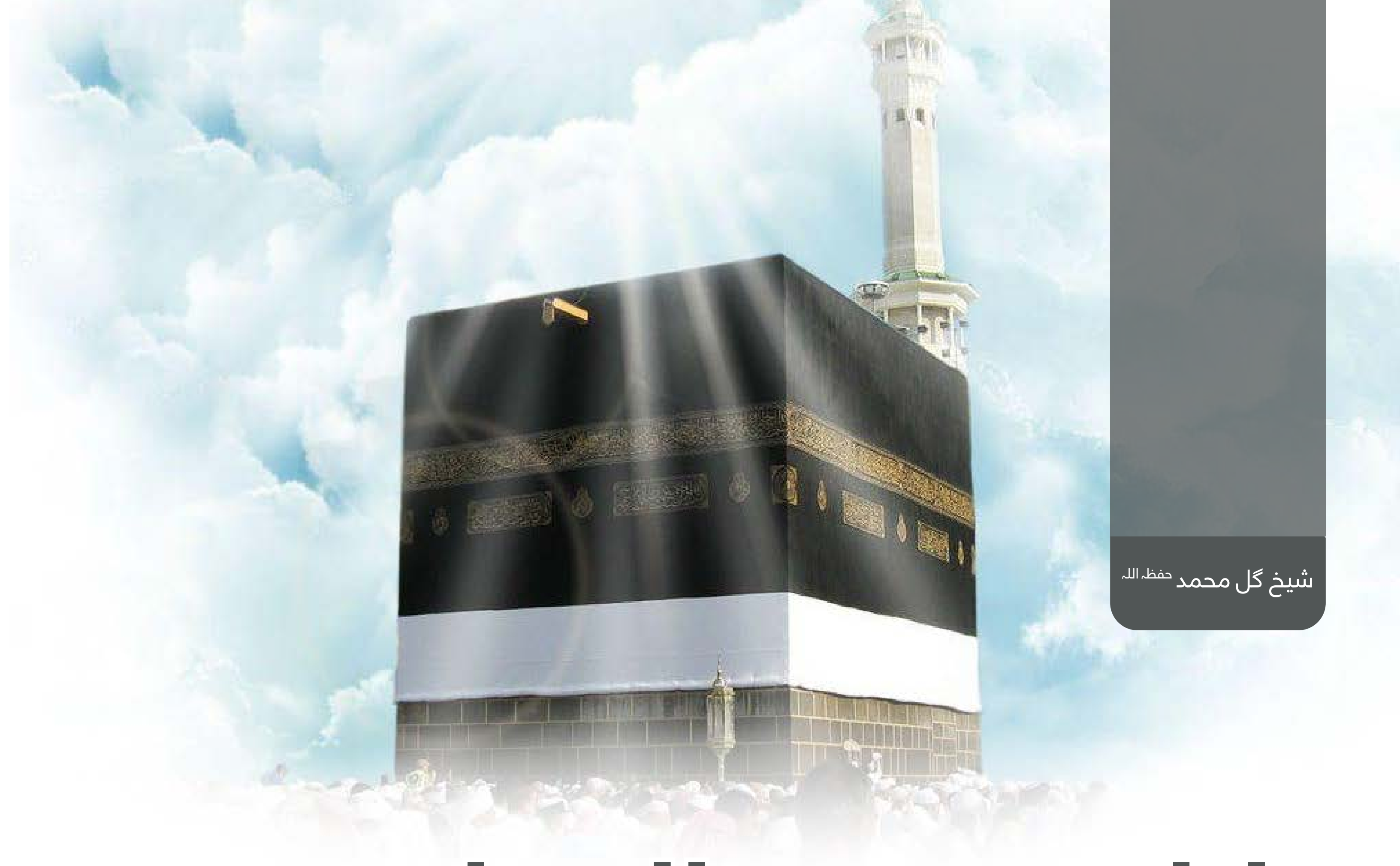
خلافتِ بنو امیہ میں اسلامی علوم و معاشرت نے بہت ترقی حاصل کرلی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنھم جزیرہ عرب سے مختلف مفتوحہ علاقوں میں پھیل گئےاور انہیں اپنا مسکن بنالیا، خصوصا شام ، عراق و مصر میں صحابہ رضی اللہ عنھم کی ایک بڑی تعدادنے سکونت اختیار کی۔ وہاں کے لوگوں نے ان صحابہ سے علوم حاصل کیے اور تابعین علماء کی ایک جلیل القدر جماعت نے جنم لیا، اور اس طرح یہ علاقے دینی علوم کا مرکز بن گئے، پھر اس کے بعد یہ علوم فارس و خراسان اور شمالی افریقہ تک پھیل گئے۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دور میں احادیث شریفہ باقاعدہ جمع کی گئیں اور لکھی گئیں۔ تابعین اور تبع تابعین رحمھم اللہ کے دور میں علومِ حدیث کی مزید خدمت کی گئی، ان نابغہ علماء نے علومِ شریعت کو اپنے دلوں میں جگہ دی اور انہیں حفظ کیا اور اس طرح بعد کے ادوار میں قائم ہونے والے علم کے بلند میناروں کی بنیادیں رکھیں۔

دوسری طرف اسی دور میں علماء السلطان یعنی درباری علماء کا طبقہ بھی پیدا ہوا۔

دنیائے عجم کے میدان میں:

عربستان سے مسلمانوں کے دوسرے علاقوں جیسے فارس و روم اور سند و ہند میں اور اسی طرح ترکستان اور چین میں داخل ہونے سے ایک نئے اور منفرد اسلامی معاشرے نے جنم لیا۔ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنھم نے ان علاقوں میں داخل ہوکر وہاں اپنا ایسا اثر چھوڑا کہ وہاں کے لوگوں نے اپنی صدیوں پرانی معاشرت کو ترک کرکے اسلامی معاشرت کو اختیار کیا اور اس کے بعد ایک طویل عرصے تک یہ غیر عربی اسلامی معاشرے بھی انسانیت کے لیے ایک مثالی روشن مینار کا کردار ادا کرتے رہے۔



شیخ گل محمد حفظہ اللہ

اہل سنت و الجماعت

دوسرا حصہ

اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے پر ثابت قدم رہنے کے اسباب

اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کا ایک بہت بڑا مقام اور مرتبہ ہے۔ یہ وہ پاک عقیدہ ہے جو کہ قرآن و سنت سے لیا گیا ہے۔ اس کی مثال اس پاکیزہ درخت کی ہے جس کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالی نے فرمایا:

اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍ (ابراھیم: ۲۵،۲۴)

"اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں۔لاتا ہے اپنا میوہ ہر وقت۔"

اس پاکیزہ عقیدہ پر ثابت قدم رہنے کے چند اسباب ہیں، جو کہ عبد الرحمٰن بن عبد المحسن نے اپنی کتاب "ثبات عقیدۃ السلف" میں ذکر کئے ہیں:

پہلا سبب: قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑنا اور ان پر مضبوط اعتماد کرنا

کیوں کہ اہلِ سنت والجماعت اپنا عقیدہ قرآن و سنت سے لیتے ہیں، اپنی طرف سے نہیں بناتے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لیس الاعتقاد لی ولا لمن هو اکبر منی بل الاعتقاد یؤخذ عن اللہ سبحانہ وتعالی ورسولہ ﷺ وما اجمع علیہ سلف الامۃ

(مجموع الفتاوی ص:۳۰۲، ج:۳)

"عقیدہ بنانا میرا کام نہیں ہے، نہ ہی مجھ سے بڑے کسی شخص کا کام ہے، بلکہ عقیدہ قرآن و سنت اور سَلَف کے اجماع سے لیا جاتا ہے۔"

دوسرا سبب: یہ عقیدہ رکھنا کہ قرآن و سنت میں عقیدہ مکمل بیان کیا گیا ہے

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ (المائدۃ: ۳)

(آج کے دن میں نے تمھارا دین مکمل کردیا۔)

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

انـه لم يكـن نبـي قبلـي الا كان حقـا عليــه ان يـدل امتــه على خــير مايعلمه لهــم وينذرهــم شرمايعلمــه لهــم (مسلم: ۴۴۸۱)

یعنی ہر نبی نے اپنی امت کو خیر کا ہر کام بتا یا اور شر کے ہر کام سے انہیں ڈرایا۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو ہر بات بتادی ہو، یہاں تک کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی، لیکن توحید نہ بتائی ہو۔ (ثبات عقیدۃ السلف ص:۹)

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "سنت" نوح علیہ السلام کی کشتی ہے، جو بھی اس میں بیٹھ جائے گا وہ بچ جائے گا اور جو اسے چھوڑ دے گا ڈوب جائے گا۔ (ثبات عقیدۃ السلف ص:۹)

تیسرا سبب: تمام مسائل اور اختلافات میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا

یہ اہلِ سنت کا طریقہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (النساء: ۵۹)

"اگر تمھارا کسی چیز کے بارے میں نزاع پیدا ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔"

چوتھا سبب: اپنے عقیدے پر مطمئن رہنا

کیوں کہ اہلِ سنت اپنے عقیدے پر انتہائی مطمئن ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت پر ہر قسم کے امتحان اور ابتلاءات آتی ہیں، لیکن وہ اپنے عقیدے سے پیچھے نہیں ہٹتے، یہی حال انبیاء اور ان کے ساتھیوں کا تھا۔ (مجموع الفتاوی ص:۵۰، ج:۴)

ہرقل کی حدیث میں بھی یہی آتا ہے کہ مؤمن اپنے عقیدے سے نہیں پھرتا۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہلِ کلام کبھی ایک بات کرتے ہیں تو کبھی دوسری، بلکہ کبھی اسی بات پر کسی کو کافر بھی کہتے ہیں۔ (مجموع الفتاوی ص:۵۰ ج:۴)

پانچواں سبب: سَلَف صالحین کے فہم کے مطابق نصوص کی تابعداری کرنا

کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست بغیر کسی واسطے کے دین سیکھا تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں رغبت، صداقت، زکاوت اور عقلمندی بھی تھی، لہٰذاوہی اس بات کے اہل ہیں کہ ان کے فہم پر اعتماد کیا جائے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام ائمہ جیسے امام مالک، اوزاعی، ثوری، ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، فضیل بن عیاض، ابوسلمان معروف کرخی وغیرھم رحمھم اللہ کہتے ہیں کہ ہمارا بہترین علم اور عمل وہ ہے کہ جس میں ہم صحابہ کے علم و عمل کا اتباع کریں، اور کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ہم سے فضائل و مناقب میں بلند ہیں۔ (شرح العقیدۃ الاصفھانیۃ ص:۱۲۸)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ولواردنـا رحمـك اللـه ان ننتقـل عـن اصحـاب الحديـث ونرغـب عنهـم الي اصحـاب الـكلام ونرغـب فيهـم لخرجنامـن اجتـماع الي تشتـت وعن نظام الي تفـرق وعن اُنسٍ الي وحشـه وعـن اتفـاقٍ الي اختـلافٍ

یعنی اگر ہم اہلِ سنت کی بجائے متکلمین کی اقتداء شروع کردیں تو اتفاق کی بجائے اختلاف کی طرف نکل جائیں، نظم کی بجائے افراتفری کی طرف چلے جائیں، اور الفت کی بجائے وحشت کی طرف نکل جائیں۔ (تاویل مختلف الحدیث ص:۱۶)

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى (النساء: ۱۱۵)

چھٹا سبب: اہلِ سنت والجماعت کا اعتدال اور میانہ روی

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا (البقرۃ:۱۴۳)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

القصد القصد تبلغوا (البخاری)

(میانہ رو چلنا، پہنچ جاؤ گے)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

عليكـم هديـا قاصـداً فانـه من يشـاد الديـن يغلبـه (رواہ احمد)

«درمیانہ چلو، کیوں کہ جو شخص دین میں سختی کرتا ہے دین اس پر غالب ہوجاتا ہے۔»

ساتواں سبب: اپنی عقل اور ذوق قرآن و سنت پر مقدم نہ کرنا

بدعتی لوگ کبھی اپنی عقل کو مقدم کرتے ہیں اور کبھی رائے کو، کبھی ذوق اور وجد کو تو کبھی قصے و واقعات اور خوابوں کو، جبکہ اہلِ سنت والجماعت کو اللہ تعالی نے اس فتنے سے محفوظ رکھا ہے۔

آٹھواں سبب: اپنے عقیدے پر مکمل یقین

اہلِ سنت کو اپنے عقیدے پر مکمل یقین ہوتا ہے، وہ کسی سے جھگڑے اور بحثیں نہیں کرتے، کیوں کہ یہ باطل پرستوں کی نشانی ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (الزخرف: ۵۸)

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابومسعود ر رضی اللہ عنہ سے کہا:

ان الضلالـة حـق الضلالـة ان تعـرف ماكنـت تنكـر وتنكـر ماكنـت تعـرف

وایاک والتلون في دین الله فان دین الله واحد (الابانۃ لابن بطۃ ج ۲ ص ۵۰۵)

"پوری گمراہی یہ ہے کہ تم اس چیز کو اچھا سمجھنے لگو جسے تم برا سمجھتے تھے، اور برا سمجھنے لگو اس چیز کو جسے تم اچھا سمجھتے تھے۔ اللہ کے دین میں رنگ بدلنے سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیوں کہ اللہ تعالی کا دین ایک ہے۔"

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں:

من جعل دینه غرضاً للخصومات اکثرالتنقل (الابانۃ : ج ۲ص ۵۰۳)

"جو شخص اپنے دین کو جھگڑوں کا نشانہ بنالے تو وہ اپنے دین میں بہت زیادہ بدلتا رہتا ہے۔"

اور فرمایا:

من کثرت خصومته لم یزل ینتقل من دین الي دین (الابانۃ : ج۲ ص ۵۰۴)

"جو شخص جھگڑے اور بحثیں زیادہ کرتا ہے، وہ ہمیشہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔"

واقعہ:

ایک مرجئی (ایک گمراہ فرقے کا پیروکار) نے امام مالک رحمہ اللہ سے کہا کہ میں تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے اس سے کہا کہ اگر تم مجھ پر غالب ہوگئے تو پھر؟ اس نے جواب دیا کہ پھر آپ کو میری تابعداری کرنا ہوگی۔ امام صاحب نے کہا کہ اگر کوئی اور آجائے اور ہم دونوں پر غالب ہوجائے تو پھر؟ اس نے کہا کہ پھر ہم اس کی تابعداری کرلیں گے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے کہا :

یاعبد الله! بعث الله محمداً بدین واحد واراک تنتقل من دین الي دین

"اے اللہ کے بندے! اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو ایک دین دے کر بھیجا ہے، اور میں تمہیں ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہوتے دیکھ رہا ہوں۔"

مطلب یہ کہ عقیدہ اور نظریہ تو ایک ہی ہوتا ہے ، وہ نہیں بدلا کرتا۔

بعض سَلَف کے پاس جب کوئی بدعتی آتا تو وہ اس سے کہتے:

اما انافعلی بینة من ربی واما انت فشاک فاذهب الی شاک مثلک فخا صمه

"میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور تم شکی ہو، لہٰذا اپنے جیسے کسی شکی کے پاس چلے جاؤ اور اس سے بحث کرو۔"

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے:

انما یخاصم الشاک في دینه

"جھگڑے اور بحثیں وہ شخص کرتا ہے جو اپنے دین میں شکی ہوتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ سنت کو اپنے عقیدے پر یقین ہوتا ہے، ان کا عقیدہ و نظریہ نہیں بدلتا اور نہ ہی وہ اس پر کسی سے جھگڑے اور بحثیں کرتے ہیں۔

ابو بکر الاجری البغدادی المتوفی ۳۶۰ ھ نے اپنی کتاب "الشریعۃ" میں باب قائم کیا ہے " ذم الجدال والخصومات فی الدین"۔ اس باب میں انہوں نے ایک روایت نقل کی ہے جو کہ محمد بن واسع رحمہ اللہ نے مسلم بن یسار رحمہ اللہ سے نقل کی ہے:

ایاکم والمراء فانها ساعة جهل العالم وبهاایبتغي الشیطان زلته

"اپنے آپ کو جھگڑو بحثوں سے بچاؤ، کیوں کہ یہ عالم کے جہل کا وقت ہے، اور اس کے ذریعے شیطان عالم کو پھسلانے کی کوشش کرتا ہے۔"

یعنی جھگڑوں اور بحثوں میں عالم شخص جاہل بن جاتا اور غلطی کرتا ہے۔

معاویہ بن قرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

الخصومات في الدین تحبط الاعمال

"دین میں جھگڑے کرنا اعمال کو برباد کردیتا ہے۔"

نواں سبب: آسان اور واضح عقیدہ

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ آسان اور سورج کی طرح واضح ہے۔ اس میں کسی قسم کے شکوک و شبہات اور پوشیدگی نہیں ہوتی، جبکہ اس کے مقابلے میں دوسروں کے عقیدوں میں پوشیدگی ہوتی ہے اور اس میں وضاحت نہیں ہوتی۔

دسواں سبب: سب کا ایک عقیدے پر اتحاد و اتفاق

اہلِ سنت جو ایک عقیدے پر ثابت قدم رہتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ سب ایک ہی عقیدے پر متفق اور متحد ہوتے ہیں اور تفرق اور اختلاف ان میں نہیں ہوتا، جبکہ بدعتیوں کے تمام فرقوں کے آپس میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لوکان امرالخوارج هدي لاجتمع ولکنه کان ضلالاً فتفرق (تفسیر الطبری : ج۳ ص ۸۷۱)

" اگر خوارج ہدایت پر ہوتے تو ان میں اتفاق ہوتا، لیکن وہ گمراہ تھے اسی لیے ان میں اختلاف آگیا۔"

(انتهي کلام الشیخ عبد الرزاق في رسالته ثبات عقیدہ السلف وسلامتها من التغیرات)

یہ اہلِ سنت کی ثابت قدمی اور استقامت کے اسباب اور ان کے امتیازات اور خصوصیات تھے جو کہ ہم نے مختصرا ذکر کیے۔

عالمی دہشتگرد کون؟

مفتی ابو عاصم منصور حفظہ اللہ (امیر تحریکِ طالبان پاکستان)

۱۱ ستمبر کی کاروائی کی اٹھارویں برسی کے موقع پر امریکہ نے دیگر ۱۳ افراد کے ساتھ تحریک طالبان پاکستان کے امیر (مفتی ابو منصور عاصم) کو بھی عالمی دہشت گردوں کی لِسٹ میں شامل کردیا۔

ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ ہم بلیک لسٹ میں ہیں یا گرین لسٹ میں۔ ہمارا ایمان وعقیدہ ہے کہ کسی کے فہرست میں شامل کرنے سے نہ ہماری زندگی گھٹتی ہے اور نہ بڑھتی ، البتہ اس قسم کے اقدامات سے امریکہ کی (پاکستان کے حوالے سے) مجبورانہ سیاست وپالیسی کی عکاسی ضرور ہوتی ہے، چنانچہ اسی سیاست کے تناظر میں امریکہ نے چند ماہ قبل بلوچ قوم کی ایک تنظیم کو دہشت گرد قرار دیا تھا، حالانکہ بلوچ وہ قوم ہے جس کے حقوق حکومتِ پاکستان نے سالہا سال سے سلب کیے ہوئے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ افواج پاکستان نے ان کے ہزاروں حریت پسند افراد کو اپنی ناجائز اِستبدادی پالیسی کی بھینٹ چڑھایا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے اقدامات، اعلانات اور ظالمانہ کردار سے حقائق کو نہیں بدلا جا سکتا۔

کسی ظالم وجابر سامراج سے آزادی حاصل کرنا ایک صبر آزما کام ہوتا ہے۔ الحمد للہ، صبر کے اس میدان میں مجاہدین ہمیشہ جیت تے چلے آئے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"إِنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ"

(فتح صبر کے ساتھ ہے۔)

ان شاء اللہ مظلوم اقوام صبر کے اس معرکے میں ناپاک فوج کو شکست دے کر آزادی ضرور حاصل کریں گی۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ تحریک طالبان پاکستان کے مبارک جہاد کا محاذ صرف اور صرف پاکستان ہے، کیونکہ پاکستان کی ناپاک افواج نے ہمارے آزاد وخود مختار علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے، وہ ہمیں آزاد فضا میں اپنے دین وعقیدے کے مطابق انفرادی واجتماعی زندگی گزارنے نہیں دیتی، اس ظالم فوج نے ہمارے ہزاروں نوجوانوں کو لاپتہ اور ہزاروں کو جعلی پولیس مقابلوں میں شہید کیا، ہمارے دیہات، بازار، مساجد اور مدارس کو زمین بوس کیا، ہمارے لا تعداد بوڑھوں، بچوں، خواتین اور نوجوانوں کو بے دردی سے اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔

پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے اپنی جارحیت کو فقط پاکستان تک محدود نہیں رکھا، بلکہ وہ ہر پڑوسی ملک سے دشمنی کو لازم سمجھتی ہے، چنانچہ افغانستان (جو کہ پاکستان کا قریبی مسلمان پڑوسی ملک ہے) اس کے بارے میں اس کی ہمیشہ سے یہی پالیسی رہی ہے کہ اسے کسی بھی صورت مستحکم نہ ہونے دیا جائے (چاہے اسلامی صورت میں ہو یا غیر اسلامی صورت میں) ،کیونکہ پاکستان مستحکم افغانستان کو اپنی بقا کے لیے نہایت خطرہ سمجھتا ہے۔ اس لیے پاکستان بہر صورت افغانستان کے عدم استحکام میں اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔

جنگ، عصبیت اور فرقہ واریت کا شکار غیر مستحکم افغانستان پاکستان کی اولین ترجیحات میں سے ہے۔

پاکستان پڑوسی ممالک کو کیوں غیر مستحکم کرنا چاہتا ہے؟ اس کی بڑی وجہ پاکستان کا غیر فطری اور غیر طبعی وفاق ہے، کیونکہ دنیا کے نقشے میں موجود تمام ممالک کے پسِ پشت عملًا کوئی نہ کوئی نظریہ موجود ہوتا ہے، یا تو عقیدے کے لحاظ سے تمام قومیں ایک ملک میں اتفاق کے ساتھ رہ رہی ہوتی ہیں، یا ان میں قومی و لسانی ہم آہنگی پائی جاتی ہے، یا دنیاوی مفادات کے بہتر حصول کا نظریہ ان کے اتفاق کا ذریعہ بنا ہوتا ہے، یا اپنی صدیوں پرانی تہذیب نے انہیں بکھیرنے سے روکا ہوتاہے۔

پاکستان کے وجود میں آنے میں بھی اگرچہ ایک نظریہ (اسلامی نظریہ) کارفرما تھا، لیکن وہ درحقیقت ایک دھوکہ تھا اور اس کے ذریعے فقط بڑی بڑی اقوام کو اکٹھا کرنا مقصود تھا، ایک حقیقی اسلامی ریاست کو وجود دینا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب پاکستان میں موجود اقوام نے پاکستان کو نہ اسلامی پایا اور نہ اپنے حقوق کا محافظ تو نتیجتاً مختلف تحریکوں کو وجود دیا، بعض نے اپنے استقلال کا مطالبہ کیا اور بعض نے اپنے حقوق کے حصول کا، اور بعض نے کہا کہ پاکستان جس نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے اُسے حاصل کرنا ہے۔

چنانچہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ

اگر پڑوسی ممالک میں استحکام رہا تو عین ممکن ہے کہ اقوامِ پاکستان دل برداشتہ ہو کر اس سے الحاق کرلیں یا ان سے تعاون حاصل کرکے اپنے استقلال کا اعلان کردیں۔

ان بڑی اقوام میں سے ایک قوم پشتون بھی ہے، پشتون ایسی قوم ہے جس کو آزادی تقسیمِ ہند کے نتیجے میں نہیں ملی، بلکہ پشتون قوم کے آباؤ واَجداد نے اپنے مسلسل جہادی غزوات کے ذریعے اپنی آزادی کو بر قرار رکھا ہے، پشتون قوم نے کسی بھی حملہ آور بیرونی قوت کو یہاں پاؤں جمنانے نہیں دیے، پاکستان سے پشتون قوم نے اس وعدے کی بنیاد پر الحاق کیا تھا کہ یہاں اسلامی نظام ہوگا، پاکستان بنانے کے لیے جو نعرہ قومی عہد وپیمان کا درجہ رکھتا ہے وہ قیام پاکستان کے وقت کا نعرہ «پاکستان کا مطلب کیا **لا الہ الا اللہ**» ہے۔

گزشتہ ۷۲ برس سے افواج پاکستان نے اس نعرے کے ساتھ مسلسل غداری کی ہے، بلکہ اس نعرے کی بنیاد پر اسلامی نظام کا نعرہ لگانا اور مطالبہ کرنا ناپاک فوج کے یہاں ناقابل معافی جرم رہا ہے۔

اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ غدر وخیانت کی وجہ سے افواج پاکستان وفاقِ پاکستان کے اخلاقی جواز کو ختم کرچکی ہے، لہٰذا اب ہر قوم کا حق ہے کہ وہ اس معقول، اخلاقی اور قانونی جواز کی بناء پر اپنی آزادی کا مطالبہ کرے اوراس کے لیے آواز اٹھائے۔

چونکہ آزاد قبائل اور پشتون وطن ہمارے آباؤ واَجداد کا وطن ہے، ہزاروں سال سے ہم یہاں اپنی اسلامی روایات کے مطابق زندگی گزارتے آئے ہیں، ہم نے مسلسل جہاد کے ذریعے اپنی آزادی اور استقلال کو بر قرار رکھا ہوا ہے، پاکستان سے ہمارے بڑوں نے ایک عقد وتعہد کے ذریعے الحاق کیا تھا (کہ یہاں اسلامی نظام ہوگا) جب فوج نے اس عہد وپیمان کو مسلسل پاؤں تلے روندا، تو اس فوج کو اپنی سرزمین سے نکالنا اور اپنی اسلامی سرزمین کو آزاد کرانا ہمارا دینی واخلاقی حق ہے۔ یہ حق دنیا کی کوئی طاقت ہم سے نہیں چھین سکتی۔

پاک افغان بارڈر پر آباد پشتون قبائل نے تو الحاق بھی نہیں کیا تھا، بلکہ یہ علاقہ تو ظالمانہ ڈیورنڈ معاہدے میں بھی برطانوی ہند (موجودہ پاکستان) اور افغانستان کے درمیان حد فاصل رہا ہے، لیکن پاکستانی افواج نے اس پر بھی زبردستی قبضہ کرکے اسے خیبر پختونخواں میں ضم کر دیا۔

افواج پاکستان نے ہمارے گاؤں، شہروں، بازاروں، پہاڑوں، تعلیمی اداروں اور آمد ورفت کی راہوں پر قبضہ کرلیا، اس پر فوجی چوکیاں بنائیں، اور سب سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان چوکیوں پر مامور اجنبی سپاہی ہماری ہی زمین پر ہم ہی سے ہماری شناخت پوچھتے ہیں۔

لہٰذا ہم پاکستان کی ناپاک افواج سے آزادی کا یہ مقدس جہاد اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک ان اجنبی ظالموں کو اپنی غازی، پاک اور مجاہد سرزمین سے نہ نکال لیں۔

ان شاء اللہ! ہم اپنے غازی اور مجاہد آباؤ واَجداد کی طرح آزادی کے اس مقدس جہاد میں فتح یاب ہوں گے۔

اس لیے ہم دنیا کے تمام دین دوست اور بشردوست لوگوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس مقدس جہاد میں معیاری انسانی اخلاق کا مظاہرہ کرکے کم از کم ظالم وجابر اور قابض وقاتل فوج کے معاون نہ بنیں۔

پاکستان چاہتا ہے کہ اپنے اس غیر طبعی وفاق کو بچانے کے لیے اس جنگ میں اپنے ساتھ دیگر ممالک کو بھی شامل کرکے آزادی کی ان تحریکوں کو کمزور کردے۔

اسلامی نظام کی روشنی میں آزاد زندگی بسر کرنا ہمارا حق ہے اور اس کو ہم ضرور حاصل کرکے رہیں گے۔ ان شاء اللہ.

ہم بین الاقوامی برادری سے بھی کہتے ہیں کہ ہماری جنگ صرف اور صرف پاکستانی افواج کے خلاف ہے، بِلاوجہ تم افواج پاکستان کا ساتھ دے کر اس ظالم، غدار اورمنافق مسلط ٹولے کی تقویت کا سبب نہ بنو۔

اہلِ دنیا خود انصاف کریں!کہ بارود میں جلی ہوئی لاشوں کو اٹھا نا ،ڈرون میزائل سے بکھرے ہوئے اپنی ماؤں ،بہنوں،بیوی ،بچوں کے اعضاء کو ٹٹولنا اور پھر اپنے قاتل کی تلاش میں نکلنا کیا دہشت گردی ہے؟یا یہ مقتول کا وہ حق ہے جس کو پوری دنیا خود تسلیم کرتی ہے؟

میں عالمی برادری سے پوچھتا ہوں!کہ کیا دہشت گردی کا کوئی معیار بھی ہے ؟یا وقت کا فرعون امریکہ جس کو دہشت گرد کہے بس وہی دہشت گرد ہے ؟کیا افغانستان میں ملینوں لوگوں کا قتلِ عام دہشت گردی نہیں ہے ؟کیا پوری دنیا کو آگ کی بھٹی بنا نا دہشت گردی نہیں ہے ؟ کیا پاکستان کا قبائل کو بلڈوز کرنا اور قبائلی مرد و زن کو صفحۂ ہستی سے مٹادینا اگر دہشت گردی نہیں ہے تو پھر ہمیں دہشت گردی کی تعریف سمجھا دیجئے؟

پوری دنیا سن لے!اگر اپنے یتیم بچوں اور بیواؤں کے آنسوں پونچھنا دہشت گردی ہے ،اگر اپنے مقتول ماں باپ ،بہن،بھائیوں اور رشتہ داروں کے قاتل کو تلاش کرکے اسے کیفرِ کردار تک پہنچا نا دہشت گردی ہے،تو میں دہشت گرد ہی سہی ،اور اگر یہ دہشت گردی نہیں بلکہ انسانی حقوق کے تحفظ کا عظیم ترین درجہ ہے تو خدا را اس ظالم دشمن اور عالمی دہشت گرد «پاکستان» کے خلاف میری مدد کیجئے،میں نے اپنی کتاب «انقلابِ محسود» میں رومینٹک جنگی داستانوں کی روداد نہیں سنائی، بلکہ ان ظالموں کی تفصیلی کار گذاری بیان کی ہے جنہوں نے «عظیم بر طانیہ» سے سبق سیکھے بغیر تکبرانہ انداز میں ہماری مقدس سرزمین پر در اندازی کی کوشش کی تھی، تاکہ یہ مستقبل کےلئے تازیانۂ عبرت رہے، کتاب اٹھا کر دیکھیں ہم نےکسی کے خلاف بھی اقدام کی راہ اختیار نہیں کی ، ہاں جنہوں نے ہمیں حقیر سمجھ کر ہم پر اقدام کیا تو ان سے ہم نے ہر جگہ جوانمردی کےساتھ اپنا انتقام لیا اور اپنا دفاع کیا اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے،اب دنیا خود ہی فیصلہ کرے کہ عالمی دہشت گرد کون ہے مفتی ابو منصور عاصم محسود یا امریکہ اور پاکستان؟

برائے نام امن کمیٹیوں کے نام پیغام

مفتی مزاحم حفظہ اللہ (نائب امیر تحریک طالبان پاکستان)

الحمد لله الذی هدانا الی صراط مستقیم والصلوة والسلام علی من اعلی الله منار الاسلام بسیفه امابعد،فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار

میرے محترمو! پاکستان کے جاری جہاد میں تحریک طالبان پاکستان کا منہج اور طریقۂ کار اس پر گواہ ہے کہ تحریک طالبان پاکستان کا جہاد اسلامی اصول اور قواعد کی بنیادوں پر مضبوطی سے قائم ہے۔اس جنگ میں ایک طرف تو دشمن شکست کے دھانے پر کھڑا ہے تو دوسری طرف اقتصادی لحاظ سے بھی زوال پذیر ہے اور دنیا میں اپنا اعتماد بھی کھوچکا ہے۔ میں امتِ مسلمہ کو ایک بڑی کامیابی کی مبارک باد دیتا ہوں اور ان کو اس بات کا اعتماد دلاتا ہوں کہ ہم انشاء اللہ بہت جلد اپنے مبارک منہج اور عقیدے کے ساتھ اپنے عوام کے درمیان ہوں گے اور آپ کے زخموں اور دردوں کا مداوا کریں گے۔

موجودہ جاری جنگ میں جب حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اب جنگ اس کی طاقت سے باہر ہوگئی ہے تو بہت ہی چالاکی سے قوم سے لشکر بناکر مجاہدین کے مقابل کھڑے کردیے، تاکہ قوم اور طالب کو آپس میں مصروفِ جنگ کردے۔ لشکر کی تاسیس کے وقت حکومت اور فوج نے لشکر کے بڑوں سے جھوٹے وعدے کیے، لیکن وقت نے یہ بات ثابت کردیا کہ ہمیشہ سے اس بے ضمیر فوج نے قوم اور عوام کو انسانی ڈھال کے طور پر استعمال کیا ، اور انتہائی چالاکی کے ساتھ ہنے ناجائز دھندوں کو جاری رکھا۔

لشکر کے بڑوں نے بھی اپنے شخصی مفادات اور اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے قوم سے جھوٹے وعدے کیے اور قوم کو طالبان کے خلاف جنگ کے لیے تیار کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجاہدین کے خلاف کیے گئے جرموں میں قومی لشکروں کے سینکڑوں لوگ مارے گئے اور اب بھی تحریک طالبان پاکستان کے سخت حملوں کی زد میں ہیں۔ قوم کے ہوشیار لوگوں کو ان حالات پر سوچ وبچار کرنا چاہیے کہ اس جنگ میں کون حق پر ہے اور کون باطل پر، قوم کا خیر خواہ کون ہے اور دشمن کون؟

یہ بات سورج کی طرح واضح ہے کہ یہ فوج قوم کی خیر خواہ نہیں ہے، یہ کھاتی قوم کا ہے اور کام کافروں کے لیے کرتی ہے۔ ایسے حال میں کہ جس فوج کے عقیدے اور ایمان کی حالت یہ ہو کہ وہ ستر کفری ممالک کے ساتھ انٹیلیجنس تعلقات رکھے ، اپنی بہنوں کو ڈالروں کے بدلے بیچے، منبر اور مساجد شہید کرے، اسلامی نظام کے پاک مجاہدین اور طالبان، وحشی طریقوں سے شہید کرے ، ایسی فوج سے خیر کی طمع رکھنا محال ہے۔

وہ لوگ جو اس فوج کے ساتھ کھڑے ہوئے اور اس کے وعدوں سے دھوکہ کھا گئے اور انہوں نے طالبان کے خلاف لشکر بنالیے، ان کے ساتھ فوج نے کیا کیا، یہ لوگ اپنے انجام کے بارے میں سوچیں۔ فوج نے ان کے ذریعے اپنی حفاظت کی لیکن جب ان سے اپنا مقصد حاصل ہوگیا تو ان لشکروں کا اب یہ حال ہے کہ فوج نے اس سے برائت اختیار کرلی،اور وہ طالبان کے حملوں کا شکار حیران و سرگردان ہیں۔

میرے محترمو! "تحریک طالبان پاکستان "قوم کی خیرخواہ ہے، ہم باربار اپنے بیانات میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں۔

لشکر کے بڑے اپنے انجام کو سوچیں کہ وہ کس مقصد کے لیے جنگ کے میدان میں اترے ہیں،ان کے لیے یہ سوچنے کی بات ہے کہ فوج کے دفاع میں ان کو کون سی خیر ہاتھ آئی اور طالبان کے خلاف ان کو کیا نقصان پہنچا ۔

میں یہ بات ایک بار پھر دھراتا ہوں کہ قومی لشکروں کے بڑوں کو چاہیے کہ اس جنگ سے پیچھے ہٹ جائیں، انشاء اللہ ہماری طرف سے انہیں کوئی مشکل نہیں ملے گی۔ لیکن اگر وہ اسی طرح فوج کا دفاع کرتے ہوئے طالبان سے جنگ کرتے رہیں گے تو پھر وہ بھی دوسرے لشکریوں کی طرح اپنے انجام کا انتظار کریں۔ وہ وقت دور نہیں کہ جب ہمارے شاہین تم سے تمھارے ظلموں کا بدلہ لیں گے، اپنے یتیموں اور بیواؤں کے آنسوؤں کا تم سے حساب لیں گے۔

طالب کی دشمنی کوئی شخصی دشمنی نہیں ، بلکہ یہ ایک بڑی قوت سے جنگ ہے، جس کی طاقت ممالک بھی نہیں رکھتے،تو ایک دو لشکر اس کا کیا مقابلہ کریں گے۔ اپنی جانوں اور اپنے بچوں پر رحم کریں، فوج کے جھوٹے وعدوں پر کفار کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی جانوں کو تباہ نہ کریں۔ اپنے بچوں کو اس ہلاکت میں نہ ڈالیں، ان کا مستقبل نہ تباہ کریں۔

فوج اس جگہ مہمان ہے، یہ چلی جائے گی اور پھر ہم اور آپ ہی یہاں رہیں گے، پرائی جنگ گھر نہ لائیں۔ ہم ولاء و براء کے عقیدے کی بنیاد پر جنگ کرتے ہیں، کسی سے بھی شخصی دشمنی نہیں رکھتے، صرف اللہ تعالی کے دین کی حاکمیت کے لیے جنگ کرتے ہیں۔ اس جنگ میں بجائے اس کے کہ ہمارے خلاف کھڑے ہوکر اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کریں، ہماری مدد کریں، دنیا و آخرت دونوں فائدہ مند ہوجائیں گے۔

اللہ کے فضل اور امداد سے ہم اس جنگ میں غالب ہیں، کیوں کہ یہ جنگ عقیدے کی جنگ ہے، اور تاریخ گواہ ہے کہ عقیدے کی جنگ وہ جیت تا ہے جس کا عقیدہ حق پر مبنی ہو ۔ باطل کے نظریات کی خاطر جنگ جہاد نہ بلکہ فساد ہے، اور پاکستان کی فوج اس بات کی معترف ہے کہ ہم کفار کے مفادات کی خاطر جنگ کرتے ہیں۔

اب فیصلہ آپ خود کریں کہ اس جنگ میں کس کا ساتھ دینا ہے اور کس کے خلاف کھڑا ہونا ہے۔ ہماری جنگ ہمیشہ سے حق کے لیے ہے اور ہم باطل کے خلاف کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ جنگ کفر و اسلام کی جنگ ہے۔ انشاء اللہ رب العزت حق کو غالب کریں گے اور اسی طرح باطل کو مغلوب کریں گے اور انشاء اللہ تعالی حق کے نظام کو نافذ کریں گے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

وما علینا الا البلاغ

اصحابِ کہف

اور حالات حاضرہ

خلیفہ عثمان منصور

قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى (سورۃ الکھف :۱۳)

کافی عرصہ سے راقم الحروف کے دل میں یہ بات موجزن تھی کہ موقع پاکر اصحاب کہف کے سبق آموز واقعے کو حالات حاضرہ کے تناظر میں سورہ کہف پڑھنے والوں پر واضح کیاجائے تاکہ ہرجمعہ سورہ کہف پڑھنے والے حضرات کو یہ بھی اندازہ ہو کہ اصحاب کہف نے کس قدر عظیم قربانی کس مقصد اور کس مسئلہ کی خاطر دی تھی۔ اگر وہ مسئلہ آج کے مسلمانوں(خصوصا ہرجمعہ سورہ کہف پڑھنے والے متدین حضرات) کو بھی درپیش ہو تو کیاصرف سورہ کہف کی تلاوت کافی ہوگی یا پھر انہیں بھی اصحاب کہف کی طرح کردارادا ء کرناپڑے گا۔ سورہ کہف پڑھنے والے حضرات کو ان باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ امام الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے ہرجمعہ کے دن ہرمؤمن کو سورہ کہف پڑھنے کی تاکید کیوں کی ہے؟ اور اس سورت کے پڑھنے میں کیاکیاراز پنہاں ہیں؟

ان رازوں میں سے کچھ راز واضح کرنے کے لیے ناچیزبندہ نے کچھ سعئ ناتمام کی ہے۔ امید ہے کہ قارئین ان پر غورفرمائیں گے اوراگر کچھ کوتاہیاں نظرآئیں توبندہ ہروقت اصلاح کے لیے حاضرہے۔

زیرنظرمضمون پڑھنے والے حضرات مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کامطالعہ فرمائیں:

- قدیم اورجدید طواغید کے طرزدشمنی اوران کا مقابلہ کرنے والے قدیم اورجدید اہل حق کے طرزقربانی میں کس قدرمماثلت پائی جاتی ہے۔
- اصحاب کہف کون تھے؟ ان کی تحریک کس بنیادپر قائم ہوئی تھی؟ ان کی تحریک کا موقف اورمدعاکیاتھا؟
- دقیانوس کا اللہ تعالی کو خالق، رازق، مدبر، رب السموات والارض، ماننے کے باوجود اصحابِ کہف کا اس سے اختلاف اور جھگڑاکس مسئلے پر تھا؟
- کسی بھی اسلامی انقلابی تحریک کی فتح وشکست میں کیاکیاعوامل کارفرماہوتے ہیں؟
- کیا اسلامی انقلابی تحریکیں ارکان انقلاب کے قتل، گرفتار اورملک بدر ہونے سے مٹتی ہیں یامزیدترقی کرتی ہیں؟
- اصحاب کہف کی انقلابی تحریک اورآج کی انقلابی تحریکوں میں کتنی مشابہت ہے؟
- کسی بھی مضبوط ترین ٹیکنالوجی کے حامل طاغوت کے مقابلےکےلئے اصحاب کہف کی طرح بےسروسامانی کےعالم میں میدان میں اترنا اورخاموشی کاطلسم توڑنا، وارثان انبیاء کافرض بنتاہے یا ہاتھ پرہاتھ دھرےبیٹھ کرشیخ فرید کے مذہب کواختیارکرنا؟ دونوں میں سے کون ساکردار رحمانی لشکروں کی سنت اورطرزعمل ہے؟
- کیاآج کےجدید طواغید (جمہوری نظاموں) کے مقابلے میں کروڑوں مسلمانوں اورلاکھوں علماءکرام کووہ طاقت بھی میسرنہیں جوکل کےطاغوتِ اکبردقیانوس کے مقابلہ میں گنتی کے اصحاب کہف کومیسر تھی؟
- اہل حق کاکسی بھی طاغوت کوان کے ہرطرح کے ظلم وعدوان اور جبروتشدد کے باوجود اُسی حال پر چھوڑدینا اورتمام تربغاوتوں کےانتقام کوسہنا اورمجبوری کی زندگی اس حال میں بسرکرنا کہ اللہ تعالی حالات کوفقط آہ وزاری، دعاؤں اورمنتوں، یاپھرصرف جلسوں جلوسوں دھرنوں اورریلیوں سے تبدیل کردیں گے؟ حاشاوکلا اگریہی رحمانی ہدایات ہوتیں تواصحاب کہف نے ان کوکیوں فراموش کیاتھا؟
- اصحاب کہف کے طرزقربانی اورپہاڑوں اورغاروں کی طرف ہجرت کرنے میں دجالی فتنوں سےمامون ومحفوظ ہونے میں کیادرس عبرت ہے؟

قارئین ان جیسے دیگرکئی اموراور دسیوں سوالات کے جوابات اصحاب کہف کے اس سبق آموزواقعے کے تناظر میں پاسکتے ہیں۔

قرآن مجید کو واقعات کے باب میں بحث سے سروکار چونکہ صرف عقائد، بصیرتوں، عبرتوں اور اخلاقی اسباق و نتائج سے رہتا ہے اس لیے وہ تاریخی و جغرافیائی تفصیلات کو نظر انداز کرتا ہے اور اس باب میں احادیثِ صحیحہ بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔

قرآن مجید کو واقعات کے باب میں بحث سے سروکار چونکہ صرف عقائد، بصیرتوں،

عبرتوں اور اخلاقی اسباق و نتائج سے رہتا ہے اس لیے وہ تاریخی و جغرافیائی تفصیلات کو نظر انداز کرتا ہے اور اس باب میں احادیثِ صحیحہ بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔

اصحابِ کہف کون تھے؟

قدیم و جدید مفسرین کی اکثریت نے اس سچی حکایت کو مسیحی دور کی حکایت قرار دیا ہے۔

رومی شہنشاہ ڈی سیس یا دقیانوس (متوفی ۲۵۱ء) اللہ کی حاکیت کا منکر، غالی بت پرست تھا اور جبر و اکراہ سے وضعی قوانین اور بت پرستی کی اشاعت کیا کرتا تھا۔ مسیحی مذہب نیا نیا اُسی کے زمانے میں سلطنت روم میں پھیل رہا تھا۔ اس نے عیسائی موحدین پر سختی شروع کی اور حد سے بڑھ کر مظالم ان پر ڈھائے۔ دقیانوس کے مظالم کی صرف ایک جھلک سے قارئین اس کے جبرواستبداد کا اندازہ لگاسکتے ہیں، امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكان دقيانوس حين قدمها امر ان يتبع اهل الايمان فيجمعوا له واتخذ شرطا من الكفار من اهلها يتبعون اهل الايمان في اماكنهم فيخرجونهما الي دقيانوس

"دقیانوس جب اصحاب کہف کے شہر(افسوس) میں داخل ہوتا توشہرکےانتظامیہ کو(اوردیگر استخباراتی اداروں) کوفرمان جاری کرتا کہ اہل ایمان (جواس طاغوتی نظام کے باغی تصورکئےجاتےتھے) کو (سرچ اورٹارگٹڈ اپریشنوں میں) تلاش کرکےان کےگھروں اور ٹھکانوں سے گرفتار کرکے میرےسامنے حاضرکرو ۔

جب پولیس ان کوگرفتارکرکےدقیانوس کےسامنے حاضرکرتےتو کہتے:

هؤلاءالفتيه من اهل بيتك يستهزؤن بک ويعصون امرک

"یہ ہیں وہ مجرم (دہشتگر اورریاست اورقانون کے باغی)ہیں جوتیرےاہلِ بیت ہوکربھی تیرا مذاق اڑاتے ہیں، اورتیرےفرمان(ملکی آئین ودستور) کی مخالفت کرتےہیں۔"

پس دقیانوس (جوبیک وقت قاتل بھی، شاہدبھی، قاضی بھی ہواکرتاتھا۔۔جیساکہ پاکستانی خفیہ اداروں کا طرزالعمل ہے) ان گرفتارشدگان دہشتگردوں کو دوباتوں میں سے ایک کوقبول کرنےکااختیاردیتا کہ یاتومیرے قانون اورعبادۃ الاوثان کے سامنے سرنڈرہوجاؤ یاپھرقتل کے لیےتیارہوجاؤ **فمنهم من يرغب فى الحياة** (پس بعض کمزور (اورمتذبذب قسم کے) مسلمان دنیوی زندگی کوترجیح دے کر سرنڈرہوجاتے۔) **ومنهم من يأبي ان يعبدغيرالله** (اوربعض اہل ایمان صبرواستقامت کامظاہرہ کرکےاپنےموقف پرڈٹےرہتے اورسرنڈرہونےسےانکارکردیتے۔)

دقیانوس اپنےموقف پراستقامت دکھانے والوں کونہایت بےدردی اوروحشتناک طریقے سے قتل کردیتا، سب کےسامنے ان کے جسم کےاعضاء کو کاٹ کاٹ کرشہر" افسوس" کے ہربڑے دروازے اورہراونچی دیوارپر لٹکادیتا، تاکہ کوئی اوراس طرح کے(ریاست کےخلاف) اقدام کے بارےمیں سوچ بھی نہ سکے۔ (تفسیرالبغوی)

جب اصحاب کہف نے اس سنگین صورتِ حال کودیکھا کہ اس ملک میں نہ تواللہ کاحق (حقِ حاکیت اورحقِ عبادت) محفوظ ہے اورنہ ہی انسانوں کاحق، توان آٹھ نوجوانوں نے جو کہ وزرائے مملکتِ روم کی ناز و نعمت میں پلی ہوئی اولادیں تھیں ، نے خاموشی کا طلسم توڑ کر وقت کےسرکش طاغوت اوراس کےلشکرسے بےپروا ہوکر رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا کا نعرۂ مستانہ بلند کیا، اور ایمانی جرات و استقلال کا مظاہرہ دیکھنے اور سننے والوں کو مبہوت اور حیرت زدہ کر دیا کہ یہ چند مٹھی بھر جوان کیسے ہیں جو موت کےگھاٹ میں اترنےکی بات کرتےہیں۔

چنانچہ ان کوبھی گرفتارکرکے دقیانوس کےسامنے حاضرکیاگیا، دقیانوس نے سابقہ روش کے مطابق ان کو بھی انہی دوباتوں میں سے ایک کواختیارکرنےکاکہا۔

مگرچونکہ اصحاب کہف تومملکت روم (دقیانوس) کے حاضر سروس وزیروں اورمشیروں کی اولادیں تھیں، اس وجہ سے اس نے بڑےمکارانہ طریقےسے کہاکہ تم تو ہمارے اپنےلوگ ہو، تمہیں تو دوسرےلوگوں کے لئے بھی ریاست کی رٹ کوتسلیم کرنےکا نمونہ بننا چاہیے، چہ جائےکہ تم حکومتی وردی میں ملبوس حاضرسروس ہوکربھی ریاستی مجرموں کے لیے نمونہ بن جاؤ! بصورت دیگرتمہیں بدترین انجام سے دوچارہوناپڑے گا۔

اصحاب کہف نے ظالم بادشاہ کو کیاجواب دیا؟

قربان جاؤں اصحاب کہف کی استقامت اورغیرت پر، اصحاب کہف کےامیر"مکسلمینا" نے جواب دیا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ تیرے قانون کوتسلیم کرنے یا غیراللہ کی عبادت قبول کرنے کوہم ہرگزتیارنہیں کیونکہ ان لنا الها ملاالسموات والارض عظمة لن ندعومن دونه الها ابدا (ہمارا اللہ تو ایسا حاکم ہے جس کی حکومت سات آسانوں اورسات زمینوں پرحاوی ہے، ہم اس حاکم مطلق کےعلاوہ کسی اورکی حکومت اور عبادت کسی بھی صورت تسلیم نہیں کرسکتے۔) باقی رہی دوسری بات (قتل) سواس کے متعلق کان کھول کر سن لو فاصنع بنامابدالک (جوتیری مرضی ہو وہ کرلے ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔)

دقیانوس نے ان کی اپنےموقف پراسقدرثابت قدمی دیکھ کر چاہاکہ ان کوایسی سخت سزادی جائے کہ آئندہ کوئی اس طرح کا اقدام کرنےکی جرئت بھی نہ کرسکے۔

دقیانوس نے اولایہ تین شاہی آرڈر جاری کیے:

- **امرفنزع عنهم لبوساكان عليهم من لبوس عظماء تلك المدينه**

  کہ ان ریاستی مجرموں سےسرکاری وردیاں اتاردو۔

- **ثم امربحلية كانت عليهم من ذهب وفضة فنزعت عنهم**

  اس کےبعد ان کے سونے اور چاندی سے بنے ہوئے زیورات (سرکاری عہدوں کے لیبلز اور

بیجز) اتارنے کا کہا، چناں چہ وہ بھی اتار دیے گئے۔

ثم امربھم فاخرجوامن عندہ

پھر اصحاب کہف کو مجلس سے نکال دیا گیا تاکہ ان ریاستی دہشتگردوں کی عقل ٹھکانے لگ جائے۔

اس جابر طاغوت نے ان نوجوانوں کو کچھ مشاغل و مصالح کی وجہ سے فوراً قتل تو نہی کیا ، مگر ترغیب و ترہیب ، اور مال ومتاع کی لالچ دے کر چند روز کی مہلت دیدی کہ وہ اپنے موقف پر نظرثانی کریں اور اس سے باز آجائیں ۔

اس مہلت کو اصحابِ کہف نے غنیمت جان کر یہ طے کیا کہ ہم نے اِس وقت اپنے حصے کا فرض ایک حد تک ادا کر لیا ہے اور ایسے فتنے کے وقت جبکہ جبر و تشدد سے عاجز ہوکر قدم ڈگمگا جانے کا بہرحال خطرہ موجود ہے مناسب ہوگا کہ ہجرت کر کے شہر کے قریب کسی پہاڑی غار میں (ایمانی دولت) کی حفاظت کی خاطر پناہ گزین ہوجائیں اور واپسی کے لئے مناسب موقع کا انتظار کریں ۔

لہٰذا ان جیالے نوجوانوں نے کفری عقیدے سے برائت کا اعلان کرکے کفری معاشرے کو بھی ترک کردیااور ناز و نعمت کی زندگی، اہلِ خانہ اوربچوں، آبائی وطن اور قوم قبیلے کو چھوڑ کر ہجرت کے لیے رختِ سفر باندھا اور یہ دعاء مانگی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (الکھف:۱۰)

"اے ہمارے رب ہم پر اپنی طرف سے رحمت نچھاور کریں اور ہمارے کام کو درست فرمادیں۔"

باالآخرانہوں نے شہر سے نکل کر قریبی پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لے لی اور اپنے میں سے ایک کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تاکہ ضروریات زندگی خرید کر لاسکے اور شہر کے احوال و اخبار سے بھی سب مہاجرین ساتھیوں کو مطلع کرتا رہے ۔

جو شخص(تلمیخا) اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش جاری ہے (جیسا کہ آج کل کے **طواغیت** کا مجاہدین کے خلاف سرچ آپریشن ہوتاہے) اور پلان کے تحت ہمارے اقارب و اعزا کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ہمارا پتہ بتائیں۔

یہ مہاجرین غار میں بیٹھے آپس میں شہر کی تشویشناک صورت حال کاتذکرہ کررہے تھے کہ حق تعالی نے اُن پرخارقِ عادت کچھ اوپر تین سو سال نیند مسلط کر دی، سرکاری اداروں نے مختلف آپریشنز کیے مگر شرمندگی اور تھکاوٹ کے سوا کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آیا۔ باالآخر پرانے طواغیت کی رَوِش کو اختیار کرکےدقیانوس نے بھی ان جانباز مہاجرین کو اشتہاری مجرم اور باغی قرار دےکر بلیک لیسٹ میں ڈال دیا اور سیسہ کی ایک تختی پر ان کے خلاف ایف آئی آر (FIR) درج کر کے ملکی ریکارڈ میں رکھوا دی۔

اُن نوجوانوں کو بلیک لسٹ میں ڈالنے کے بعد سیسہ کی ایک تختی پر ان کے نام مع ولدیت اور جرم لکھ کر قومی خزانے میں ڈال دئےگئے، تاکہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ حکومت وقت سے ٹکر لینے والے چند افراد (ایک تحریک) حیرت انگیز طریقے سے لاپتہ ہو گئے ہیں ،ممکن ہے آگے چل کر ان کا کچھ سراغ مل سکے، یہی وجہ ہے کہ اصحاب کہف کو اصحاب الرقیم (تختیوں پر لکھے گئے ناموں والے) بھی کہا جاتا ہے، اور جب اصحاب کہف کچھ اوپر ۳۰۰ سال سوئے رہے اور کوئی سراغ ان کا نہ مل سکا توکئی صدیوں کے بعد جب اصحاب کہف معجزانہ انداز سے جاگے تو خود رومی (اردنی) حکومت کا مذہب اسی اثناء میں شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا ، پھر مسیحیت بھی (جو اس وقت حق مذہب جانا جاتا تھا) دو حصوں میں تقسیم ہوچکی تھی، کچھ لوگ قیامت (یعنی سزا و جزا) کے منکر تھے جبکہ دوسری جماعت اس کی قائل تھی۔

بہرحال بیداری کے بعد امیرِ جماعت(مکسلمینا) نے چند ہدایات جاری کر دیں:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ (الکھف:۱۹)

جماعت میں سے ایک ہوشیار فرد(یملیخا) کو شہر میں احوال و اخبار سمیت اشیاءِخوردونوش لینے کے لیے بھیجا گیا، اور اس کو کہا گیا:

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا (الکھف:۱۹)

یعنی دیکھنا کہ وہاں جوپاکیزہ کھانہ ہو تو وہ لے کر آنا (اہل حق کو ہمیشہ غذاوں میں حلت و حرمت کا خیال رہتا ہے)،

فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ

شہر کے اندر رفتاراورگفتار میں نرمی اور سلیقے سے کام لینا کہ کہیں سرکاری اداروں پر ہمارا راز منکشف نہ ہوجائے ،

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا

اگر خدانخواستہ (گرفتاری کی صورت میں) راز فاش ہوجائے تو دوسروں کا حال حکومتی اداروں کو نہ بتانا

کیونکہ راز فاش ہونے کی صورت میں حکومتِ وقت پرانی رَوِش کے مطابق دو آپشنوں میں سے ایک پر ضرور عمل کریگی

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ

اگروہ تم پر قابوپالیں گے تو تمہیں پھتروں سے مارڈالیں گے (تم پر بمبار کردیں گے)

اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

یا تمہیں اپنے شیطانی طاغوتی نظام کے سامنے سرنڈری پر مجبور کردیں گے۔

بقول سابق امیرِ تحریک طالبان پاکستان طالب حق مولانا فضل اللہ خراسانی شہید تقبلہ اللہ:

"قدیم فرعونی نظاموں میں اہل حق پر پتھروں کی بمباری ہوا کرتی تھی اور جدید جمہوری دجالی طواغید کی جانب سے اہل حق پر ڈرون اور جیٹ طیاروں سے باردوی بم برسائے جاتے ہیں ۔"

اِن ہدایات کے بعد امیرِ اصحابِ کہف مکسلمینا نے فرمایا :

اگر حق کی پاداش میں سنگسار (بمبار) ہونا پڑے تو

اس سے بڑھ کر اعزاز (شہادت) اور کیا ہوسکتا ہے، لیکن اگر کوئی تم میں سے سرنڈر ہوا تو یاد رکھو :

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا

تو پھر ہرگزکبھی کسی صورت بھی تم کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکو گے۔۔۔۔۔ والعیاذ باللہ

اللهــم انــا نعوذبـك ان نرجــع علــى اعقابنــا او نفــتن عــن ديننــا (اميــن)

چنانچہ مندرجہ بالا ہدایات (جو درحقیقت شہری مجاہدین کیلئے امنیتی تدابیر اورراہنما اصول ہیں) کے مطابق ایک ماموِرمہاجر بھیس بدل کر شہر پہنچا اورخوردونوش کی کچھ اشیاء خرید کر دوکاندار کوپیسے دینے لگا تو اس دوکاندار نے پیسوں کی مہر کو دیکھا تو کہنے لگا کہ کیا کوئی پرانامخفی خزانہ آپ کےہاتھ لگ گیاہے؟

مہاجربیچارہ سخت خوفزدہ ہوا کہ کہیں دقیانوس کوپتہ نہ چل جائے، مہاجر عاجز نے جان چھڑا نے کی کافی کوشش کی مگرکامیاب نہ ہوسکا۔ دیگربازاریوں نے بھی جمع ہوکرپوچھ کچھ شروع کردی۔ اسی ثناء میں شہری پولیس نےآکرحقیقت حال دریافت کی مگر اس اجنبی مسافرکی خاموشی نےلوگوں کومزیدحیرت میں ڈال دیا۔جب کرنسی کی تاریخ اورتصویر کوغورسےدیکھا گیا توپتہ چلاکہ یہ کرنسی دقیانوس کےدورحکومت کی ہے، کیونکہ ان سکوں پرتاریخ اوردقیانوس کی تصویربنی ہوئی تھی (آج کے پاکستانی دقیانوس بھی کرنسی پرتصویر نقش کرنے میں اپنے آباؤ و اجداد کے نقشِ قدم کے تابع ہیں۔)

معاملہ بایں جارسید کہ اصحاب کہف کو جس چیز کا ڈر تھا،(کہ گرفتارہوکررازآؤٹ نہ ہوجائے) وہی ہوا۔ یملیخا بھی نہایت پریشانی کے عالم میں متحیر کھڑاہے،شہری پولیس بھی حیران ہیں کہ آخر یہ شخص ہے کون؟

یملیخانے ان بدلتے حالات کودیکھ کر سوال کیا کہ اگرتم لوگ مجھےدرست جواب دوگے تومیں بھی تمہیں حقیقت حال سےآگاہ کردوں گا۔انہوں نےکہا ٹھیک ہے، یملیخانے پوچھا **مافعل الملك دقيانوس** (دقیانوس بادشاہ کاکیابنا؟)

انہوں نےکہا کہ اس وقت دقیانوس نام کےکسی بادشاہ کوہم نہیں جانتے البتہ کئی صدیاں پہلے اس نام کاایک مشرک جابر بادشاہ گزرا ہے اوراس کی حکومت تباہ ہوچکی ہے، اب اس کانام ونشاں تک نہیں رہا، اس وقت حکومت کا زمام کار "بیدروس" نامی مؤحدبادشاہ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ سن کر یملیخانے اپنی ساری داستان ان پرواضح کردی اوراپناارادہ بھی ان پرظاہرکردیا، بادشاہ نے وہ پرانی تختی طلب کی جس پر چند نام اور پتے لکھے تھے کہ یہ لوگ دفعتًا نامعلوم طریقے سے فلاں سنہ میں غائب ہوگئے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ یہ وہی مفقود الخبر جماعت ہے۔ پس زائرین اوربادشاہ بیدروس سب یملیخاکےساتھ ہوکرغارپہنچے، سب نےاصحاب کہف کی زیارت کی اور ان سے بات چیت بھی۔

اس غیرارادی واقع ہونےوالی اظہارحقیقت سے ایک طرف اصحاب کہف کواتنی طویل عرصہ سوےپڑےرہنےمیں جواختلاف تھا رفع ہوااوردوسری جانب صدیوں کااختلاف (جوعیسوی مؤحدین اوراہل شرک کےدرمیان قیامت کے انکار، یافقط حشرِاجساد کے متعلق بدستورقائم تھا) بھی اس خرق عادت بیداری سے رفع ہوا، جس پربادشاہ اور اس کی قوم نےاللہ کی حمدوثناءکی۔ اس کےبعد اصحاب کہف پراسی غارمیں موت طاری ہوئی ، قران کریم نےاس حقیقت کوان الفاظ سے بیان کیا:

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا

"اور اسی طرح خبر ظاہر کردی ہم نے ان کی تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکہ نہیں"

پس جن کی ہدایت مقدر تھی انہوں نے حق قبول کرلیااور جوگمراہی پرڈٹےرہےوہ قبول حق سے محروم رہ گئے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اصحاب کہف کی بیداری کےوقت حکومت اہل شرک کے ہاتھ سے اہل حق عیسائی موحدین کے قبضے میں آگئی تھی مگرحشر کے بارے میں اختلاف بدستور قائم تھا۔ اصحاب کہف کی بیداری اور گرفتاری نےاس نزاع کورفع کردیا، آخر منکرینِ آخرت بھی یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھنے سننے کے بعد آخرت پر یقین لےآئے۔ یہ نظارہ خاص طور پر ان کی طبائع پر اثر انداز ہوا، سمجھے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے کہ یہ قصہ بھی دوبارہ زندہ ہونےسےکم نہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا

بہرحال اہل شہر نے ان کے عجیب و غریب احوال پر مطلع ہو کر فرطِ عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کردیں جس سے زائرین کو سہولت ہو، پس ایک عبادتگاہ وہاں تعمیر کی گئی۔

نوٹ: اہل شرک اس آیت سے مزارات کی تعمیرپر باطل استدلال کرتے ہیں اس کی تردیدکےلئے ملاحظہ ہو تفسیرابن کثیر، قرطبّی ، روح المعانی ۔

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا

جولوگ اصحاب کہف کی تعدادمیں اختلاف کرتے ہیں ، قران نےان کو تنبیہ کی کہ اس قسم کی غیر معتدبہ باتوں میں زیادہ جھگڑنا لاحاصل ہے۔ عدد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں۔ جتنی بات خدا نے بتلا دی اس سے زیادہ تحقیق کے درپے ہونا یا جس قدر تردید خدا تعالیٰ کرچکا اس سے زیادہ جھگڑنا اور تردید کرنا فضول ہے۔

آگے آنے والی قسطوں میں اس واقعہ کے متعلق سبق آموز قرآنی فوائد عبر و نصائح ذکر کئے جائیں گے جو بہت ہی اہمیت اور غور و فکرکے حامل ہیں ۔۔

(جاری ہے ۔ ۔ ۔)

دوسری قسط

اسلامی قضاء کا ایک منظر

نمائندۂ مجلہ طالبان:

پاکستان کے غیر شرعی کورٹس میں ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی نوعیت کے فیصلے بھی کئی سال گزرجانے کے باوجود بھی حل نہیں ہوپاتے اور سالوں تاریخوں پر تاریخیں چڑھتی رہتی ہیں۔ جبکہ مجاھدین کے علاقوں میں جہاں بھی اسلامی قضاء فعال ہیں وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے فیصلے چند گھنٹوں یا دنوں میں حل ہوجاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور پھر ہمیں یہ بھی بتائیں کہ آپ کے پاس ایک مہینے میں تقریباً کتنے لوگ اپنے فیصلے لےکر آتے ہیں اور آپ کتنے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں؟

قاضی صاحب:

محترم ان جمہوری کورٹس میں فیصلوں میں سُستی اور سالوں سال لگنے کی کئی وجوہات ہیں:

۱ .ایک ان میں سے یہ ہے کہ ان قوانین میں بے حد پیچیدگیاں ہیں۔

۲ .دوسرا یہ کہ دستور کی دفعات میں تضاد ہوتا ہے۔

۳ .تیسرا یہ کہ فیصلوں کے لیے نااہل قاضی مقرر کیے جاتے ہیں۔

۴ .چوتھا یہ کہ قاضی فیصلوں میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔

۵ .پانچواں یہ کہ رشوت خوری بھی فیصلوں میں تاخیر کی ایک بڑی وجہ ہے۔

۶ . چھٹا یہ کہ یہ نظام بھی وکلاء کو یہ جواز دیتا ہے کہ وہ باطل اور ناحق کاموں میں بھی اپنے مؤکل کا دفاع کریں، جبکہ شرعی عدالتیں الحمد للہ ان تمام باتوں سے پاک ہیں۔

دوسری بات جو آپ نے پوچھی ہے ، میں اس کی وضاحت کچھ یوں کرنا چاہوں گا کہ شریعتِ مطہرہ چوں کہ قضاء سے پہلے پہلے لوگوں کو اپنے مسائل کو صلح کے ذریعے حل کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے کہ "والصلح خیر"، اور حدیثِ پاک میں ہےکہ "اصطلحوا قبل ان تحاکموا فان القضاء ینشئ الضغائف" یعنی عدالت میں فیصلہ لے جانے سے پہلے صلح کی کوشش کرو کیوں کہ قضاء کینہ پیدا کرتی ہے۔

اس وجہ سے اسلامی معاشرے میں دارالقضاؤں میں تنازعات کم ہی آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہمیشہ سے لوگوں کو چوں کہ شرعی عدالت میں اپنے مسائل کے جلد حل ہونے کا یقین زیادہ ہوتا ہے بنسبت جمھوری محکموں اور کورٹس کے، اس لیے الحمد للہ حکومت کی بنسبت یہاں کے لوگ اپنے مسائل میں ہماری طرف زیادہ رجوع کرتے ہیں۔

نمائندۂ مجلہ طالبان:

اسلامی قضاء میں تمام مقدموں کا فیصلہ اسی طرح جس طرح کہ ہم نے آج قضاء میں دیکھا، ایک ہی دن میں ہوجاتا ہے یا کچھ فیصلوں میں وقت بھی لگ جاتا ہے؟

قاضی صاحب:

اصل میں اسلامی نظامِ قانون میں کسی بھی قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بلا کسی وجہ اور عذر کے کسی کے مقدمے میں تاخیر کرے، بلکہ جتنا جلد ہوسکے قاضی کی یہ شرعی ذمہ داری اور فرض بنتا ہے کہ وہ دارالقضاء میں آئے ہوئے تنازعات کو شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اچھی چھان بین کے بعد حل کرنے کی کوشش کریں، جیسا کہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے اپنی شاہ کار تصنیف "الاحکام السلطانیۃ" میں لکھا ہے:

ولیس للقاضی تاخیر الخصوم اذا تنازعوا الیہ الا من عذر

"قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلا کسی عذر کے مقدمہ

پیش کرنے والوں کا مقدمہ مؤخر کریں۔"

نمائندۂ مجلہ طالبان:

آج کل پوری دنیا میں "عدالت" کے نام پر جو غیر اسلامی "کورٹس" کا نظام رائج ہے، ان کے پاس پارلیمنٹ کی طرف سے فراہم کردہ اپنے لکھے ہوئے مرتب لائحے اور قوانین ہوتے ہیں ، جن کی بنیاد پر وہ لوگوں کے ساتھ تعامل اور ان کے درمیان فیصلے کرتے ہیں۔ آیا آپ کے پاس بھی ایسے کوئی مرتب قوانین اور لائحہ ہےکہ جس کے آپ پابند ہوں؟

قاضی صاحب:

جناب اس بات پر بڑا افسوس ہے کہ مسلم امت کئی صدیوں سے نافذ اسلامی نظام کے آباد باغ کے پھلوں سے عملی طور پر محروم اور اس کی خوبیوں سے بےخبرہے۔ مغرب کے بے مہار اور ننگی تھذیب میں پلے ہوئے نام نھاد مسلم سیاسی راہنما، امتِ مسلمہ کے عام جاہل عوام کو یہ تھذیب اور وحشی جنگلی مغرب کے بنائے ہوئے قانون ملمع کرکے دھوکہ دیتے ہیں، اور دینِ اسلام کے پاکیزہ و بابرکت نظام سے ان کو محروم رکھنے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالی کے اس پاکیزہ نظام اور یہی جمہوری وضعی نظام میں زمین و آسمان، دن و رات اور روشنی و تاریکی کی مانند تفاوت ہے۔ اسلام کے اس سلامتی اور امن و سکون والے نظام سے صرف مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ کافروں درندوں اور پرندوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے،جیسا کہ ہم نے پہلے ارشاد باری تعالی ذکر کیا تھا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

"اگر اہلِ کتاب تورات اور انجیل اور یہ جو ان پر ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے (یعنی قرآن کریم) کو قائم (نافذ) کرتے تو وہ روزی کھاتے (یعنی حاصل کرتے) اوپر کی طرف سے (جو کہ آسمان ہے کی برکتیں) اور اپنے پاؤں کے نیچے کی طرف سے (یعنی زمین سے)"

انسانوں کے بنائے ہوئے عصری نظامِ جمہوریت میں تو ہر طریقے سے خصمین میں سے ہر ایک کو اپنا مقدمہ جیتنے کا حق حاصل ہے اور ان کے وکیلوں کو بھی ہر طریقے سے دفاع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، قاضیوں اور وکیلوں کو لاکھوں کروڑوں کے حساب سے روپیہ دے کر دوسرے کا حق دلایا اور چھینا جاتا ہے۔ لیکن الحمد للہ اسلامی نظامِ حکومت کی عدالتوں میں ہمیشہ مظلوم کا حق ظالم سے لینے کے اصول کار فرما ہوتے ہیں۔ قاضیوں کے لیے رشوت لینے کی حرمت تو بہت بڑی بات ہے ان کو خصمین کی طرف سے ھدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی بھی شریعتِ مطہرہ اجازت نہیں دیتی، جیسا کہ حدیث پاک میں ان دونوں چیزوں کی ممانعت کے بارے میں وعیدیں آئی ہیں:

الراشی والمرتشی کلاهما فی النار

"رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جھنم کی آگ میں ہوں گے۔"

اور فرمایا:

هدایا الامراء غلول (امیروں کے ھدیے قبول کرنا خیانت ہے۔)

اسی وجہ سے فقھاءِ امت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قاضیوں کے لیے خصمین سے ھدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔علامہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لیس لمن تقلد القضاء ان یقبل هدیة من خصم ولا من احد من اهل عمله وان لم یکن له خصم

" جائز نہیں ہے اس شخص کے لیے جس نے قضاء کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالاہو کہ وہ کسی خصم سے اور اپنے خدمت گاروں میں سے کسی سے ھدیہ قبول کرے ، اگرچہ وہ اس کا خصم نہ ہو۔"

اسلام اگر ایک طرف رشوت اور ہدیہ کو قاضی کے لیے ممنوع قرار دیتا ہے تو دوسری طرف اگرچہ وکلاء کے لیے اپنی وکالت پر اجرت لینے کو جائز قرار دیتا ہے، لیکن اس میں بھی ان کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ حق و ناحق ہر صورت میں اپنے مؤکل کا دفاع کریں۔ بلکہ قاضی خود خصمین میں سے ہر ایک کو شریعت کی رو سے باربار اس بات پر متنبہ کرتا ہے کہ جھوٹی بات اور قسم سے اپنے حق کو ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا،جیساکہ حدیث شریف میں آتا ہے:

من اقتطع بیمینه و جدله مال امرء مسلم حرم اللہ تعالی علیه الجنة، قیل فان کان شیئا یسیرا یا رسول اللہ؟ قال ﷺ وان کان قضیبا من اراک

یعنی جس نے اپنی قسم اور بحث کے ذریعے کسی مسلمان کا حق ہتھیالیا تو اللہ تعالی نے اس پر جنت کو حرام کردیا۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر وہ معمولی چیز ہو پھر بھی؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیاکہ خواہ وہ اراک درخت کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو (پھر بھی)۔

اسی طرح کئی وعیدات اس بارے میں وارد ہوئیں ہیں۔ حاصل یہ کہ شرعی نظام اگر نافذ ہو تو ایک طرف مسلمان غیر اللہ کی برائے نام عدالتوں میں اپنے مقدمات کو پیش کرنے کے وبال سے بچ جاتے ہیں، تو دوسری طرف اپنے مقدمات کو شرعی قضاؤں میں پیش کرنے سے اپنی جان و مال کی حفاظت کرنے والے بھی بن جاتے ہیں۔

نمائندۂ مجلہ طالبان:

آج کل پوری دنیا میں "عدالت" کے نام پر جو غیر اسلامی "کورٹس" کا نظام رائج ہے، ان کے پاس پارلیمنٹ کی طرف سے فراہم کردہ اپنے لکھے ہوئے مرتب لائحے اور قوانین ہوتے ہیں ، جن کی بنیاد پر وہ لوگوں کے ساتھ تعامل اور ان کے درمیان فیصلے کرتے ہیں۔ آیا آپ کے پاس بھی ایسے کوئی مرتب قوانین اور لائحہ ہےکہ جس کے آپ پابند ہوں؟

قاضی صاحب:

الحمد للہ دینِ اسلام ایک جامع اور عالمگیر دین ہے، زندگی کے تمام امور کے متعلق اس کے اندر اللہ

تعالی نے اصول و احکام نازل فرمائیں ہیں، گھر سے لیکر حکومت تک کے تمام اصول و ضوابط جو کسی انسان اور خاص کر ایک مؤمن کی زندگی کے متعلق ہوتے ہیں اس آسمانی نظام میں موجود ہیں، فقہاء کرام رحمھم اللہ نے زندگی میں درپیش ہر ممکن اور محتمل مسئلے کا حکم قرآن و سنت کی روشنی میں مستنبط فرمایا ہے۔ اس دین کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں سونے جاگنے اور حتی کہ پیشاب کرنے کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ پیٹھ کرو اور نہ ہی منہ۔ اسی طرح سوتے وقت سیدھی کروٹ پر قبلہ رُخ ہوکر لیٹنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

یہ بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جو دین ایسا جامع و کامل ہو تو اس میں انسانو ں کے اپنی طرف سے قوانین و اصول وضع کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ ایک مؤمن جو ایمان کا دعویدار ہو، اللہ کے ایسے قوانین کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی طرف رجوع کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ اس لحاظ سے الحمد للہ اسلامی تاریخ میں جتنی بھی خلافتیں گزری ہیں ان میں جو قضاء کا سسٹم رہا، وہ ہمیشہ سے اسلام کے مرتب قوانین جو کہ چار منابع سے حاصل ہوتے ہیں کے پابند رہے۔ ان چار منابع میں سے پہلے نمبر پر قرآن، دوسرے پر احادیث، تیسرے پر اجماعِ علماءِ امت اور چوتھے پر قرآن و سنت سے مستنبط احکامِ فقہ جس کو قیاس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان میں موجود ہر عام و خاص اصل ، ضابطہ اور حکم چوں کہ علماءِ کرام نے ایک مرتب انداز میں فقہ کی کتابوں میں بھی ذکر کیے ہیں اس لیے کسی بھی مسئلے کو ڈھونڈنے میں دشواری بہت کم ہوتی ہے۔ ان چار منابع میں مذکور احکام و قوانین اور ان سے ماخوذ فقہ کی کتابوں میں مذکور احکام و قوانین اسلامی قضاؤوں کے لیے لائحیں ہیں اور پھر چوں کہ ان کا منبع قرآن و سنت ہے اور ان سے مستنبط احکامِ فقہ کے انداز امتِ مسلمہ میں مختلف طریقوں سے چلے آرہے ہیں جس میں مشہور چار ہیں، فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی ۔ ہم چوں کہ یہاں خراسان و ہند میں بسنے والے مسلمان اکثر حنفی ہیں، لہٰذا ہم اپنی شرعی عدالتوں میں ہر قسم کے مسائل کو



فقہ حنفی سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو دنیا میں ہزاروں کتابوں میں ایک مرتب و منظّم شکل میں الحمد للہ موجود ہیں۔

نمائندۂ مجلہ طالبان:

آج کل لوگوں میں مغربی میڈیا اور سیکولر طبقے کے پروپیگنڈے کی وجہ سے ایک شبہ یہ بھی زیرِ گردش ہے کہ اسلامی قوانین پر اس لیے بھی عمل ممکن نہیں کیوں کہ یہ قوانین خود مسلمانوں کے درمیان ہی متفق علیہ نہیں ہیں، بلکہ ہر مکتبۂ فکر اسلامی قوانین کی ایک الگ تشریح بیان کرتا ہے۔ محترم قاضی صاحب ان کی اس بات میں کتنی حقیقت ہے؟

قاضی صاحب:

محترم بھائی آپ نے بہت ہی اہم سوال پوچھا ہے۔ مغربی اور سیکولر میڈیا چوں کہ ایک شیطانی جال ہے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور ہر چھوٹے بڑے کے کانوں تک بڑی مھارت سے ایسے شیطانی وسوسے پھیلانے میں مصروفِ عمل ہے جو مسلمانوں میں اسلامی قوانین سے متعلق بدگمانی پیدا کرتے ہیں، جس میں ایک بات یہی ہے جس کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے ۔ اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ ان کی یہ بات بے جا اور تعصب پر مبنی ہے اور وہ چیز جو دین میں اچھی خوبی ہے اسلام دشمنی کی بناء پر یہ لوگ اسے الٹا پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ سادہ لوح مسلمانوں میں اسلامی قوانین سے متعلق شکوک و شبہات کو بڑھائیں اور پیدا کریں۔

میں آسان الفاظ میں اس کا بیان یوں کروں گا کہ مثال کے طور پر ایک مسئلہ پیش آیا،اب اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ایک نظامِ حکومت اور اس کے دستور میں صرف ایک راستہ ہے، اوراس کے علاوہ ایک اور نظام ایسا ہے کہ جس کے دستور میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے چار یا اس سے بھی زیادہ طریقے اور راستے موجود ہیں ، تو کیا اب کوئی ذی عقل و باشعور انسان تعصب کے اندھیروں سے نکل کر یہ بات کہہ سکتا ہے کہ پہلا نظام اچھا ہے اور دوسرا برایا ناقص ، کیوں کہ اس میں مسئلہ کے حل کرنے کے راستے اور طریقے زیادہ ہیں؟!سو جس طرح یہ بات سراسر غلط ہے اسی طرح مغربی میڈیا اور سیکولر طبقے کی یہ بات بھی بے جا ہے۔

دوسرا یہ کہ شرعی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات غلط ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے مسائل کے اندر فقہاء کے اس اختلاف کو رحمت کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، ارشاد فرمایا:

"**اختلاف امتی رحمة**" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)۔

تو اس لحاظ سے ایک مسلمان کے ناطے کوئی بھی مسلمان جو تھوڑی سی بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہو ان کی یہ بات کسی بھی طرح تسلیم نہیں کرسکتا، کیوں کہ شریعت نے جس چیز کو رحمت قرار دیا ہو اس کو زحمت قرار دینا ایک ادنیٰ مسلمان کی شان سے بھی دور ہے۔

نمائندۂ مجلہ طالبان:

ایک اور اعتراض جو کہ اسلامی قوانین اور قضاء پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی قوانین سختی اور ظلم پر مبنی ہیں، جیسا کہ ہاتھ کاٹنا، کوڑے مارنا اور رجم کرنا وغیرہ ۔ محترم قاضی صاحب ظاہراً تو ان کی یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن کا کوئی بھی قانون ظلم پر مبنی نہیں ہوسکتا۔ آپ اس بات کی کچھ وضاحت فرمائیں۔

قاضی صاحب:

محترم آپ کا یہ سوال بھی بہت اہمیت کا حامل ہے، اور میرے علم کے مطابق اس قسم کا اعتراض لادین حکمران عصرِ حاضر میں مسلمانوں میں بڑے زور و شور اور مکاری سے پھیلا رہے ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے اس سوال کا جواب ذرا تفصیل سے اللہ تعالی کی توفیق سے پیش کرنے کی کوشش کروں۔

محترم بھائی اصل میں عدل و انصاف کا قیام اسلامی حکومت کے بنیادی مقاصد میں سے ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے بھی بیان فرمایا ہے۔ چناں چہ حضرت داوٗد علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص:۲۶)

"اے داوٗد ! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس لئے تم لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گیں۔"

یہاں حضرت داوٗد علیہ السلام کو خلیفہ ہونے کے حوالے سے حق کا فیصلہ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے ، اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت کےبنیادی مقاصد اور اس کے فرائض منصبی میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے عوام کے ساتھ حق و انصاف کا معاملہ کرے، اس حق و انصاف کا معاملہ کرنے میں عدالتی انصاف بھی داخل ہے اور انتظامی احکام کا حق و انصاف پر مبنی ہونا بھی ۔ پھر عدل و انصاف کی تشریح بھی یوں تو ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق کرسکتا ہے لیکن قرآن کریم کی اصطلاح میں انصاف وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ انصاف قرار دیں اور انصاف کی جو تشریح اللہ اور اس کےرسول کے احکام کے خلاف ہو وہ انصاف نہیں بلکہ خواہشات کی پیروی ہے، جس کو اس آیت میں حق کا فیصلہ کرنے کی ضد کے طور پر ذکر فرمایا گیا ہے اور اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ خواہشات کی پیروی تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ لہٰذا اگر کوئی فیصلہ اللہ تعالی کے نازل کیے ہوئے احکام کے خلاف کیا جائے تو وہ انصاف نہیں ظلم ہے۔ چناں چہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدۃ: ۴۵)

"اور جو لوگ اُن احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیے ہیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

اسی طرح ایک طرف تو حضور نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا :

وَ اِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ (المائدۃ:۴۲)

"اور اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اور دوسری طرف آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :

فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ (المائدۃ: ۴۸)

"لہٰذا ان کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور لوگوں کی خواہش کے پیچھے مت چلو۔"

میرےاس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ یوں تو ہر نظامِ حکومت زبان سے انصاف قائم کرنے کا دعویٰ کرتاہے اور جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہوتا ہے اسی کو حق و انصاف سمجھتا ہے لیکن حقیقی انصاف وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انصاف قرار دیا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال میں یہ پیش کروں گا کہ سیکولر ڈیموکریسی بھی دعویٰ یہی کرتی ہے کہ وہ انصاف قائم کرنا چاہتی ہے، بلکہ اس کا یہ دعویٰ بڑے زور و شور سے پیش کیا جاتا ہے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں، لیکن عملی صورتِ حال یہ ہے کہ سیکولر جمہوری معاشروں اور حکومتوں میں سربراہ حکومت کو متعدد قوانین سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور ان کے دساتیر میں یہ دفعہ موجود ہے کہ سربراہ حکومت کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن اس کی تائید میں بڑے بڑے دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور اس بات کو خلافِ انصاف نہیں سمجھا جاتا۔ دوسری طرف یہ بات اسلام کے تصورِ عدل کے سراسر خلاف ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما اھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد، وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا

"جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں انہیں اس چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے اور اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرےگی تو میں اس کاہاتھ بھی ضرور کاٹوں گا۔"

چناں چہ اسلامی حکومت کی تاریخ میں ایسی بہت سی تابناک مثالیں موجود ہیں کہ سربراہِ حکومت پر نہ صرف مقدمہ چلایا گیا بلکہ قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ بھی دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ امیر المؤمنین تھے اس وقت قاضی شریح نے ایک یہودی کے مقابلے میں ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک زرہ گم ہوگئی تھی، آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی جو اسے بیچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یہودی نے کہا کہ یہ تو میری زرہ ہے اور میرے قبضے میں ہے۔ چناں چہ معاملہ قاضی شریح رحمہ اللہ کی عدالت میں پہنچا۔ قاضی شریح نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گواہ مانگے۔آپ رضی اللہ عنہ نے ایک گواہ قنبر کو پیش کیا اور دوسرے گواہ کے طور پر اپنے بیٹے کو پیش کیا ، حضرت قاضی شریح نے فرمایا کہ بیٹے کی گواہی اپنے باپ کے حق میں قبول نہیں ہے۔ چناں چہ یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا ۔ **(اخبار القضاۃ لوکیع، فی اخبار القاضی شریح ص:٣٦١)**

یہ معاملہ خلافتِ راشدہ میں تو تھا ہی، اس کے بعد بھی قاضیوں کے حالات میں اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔ قاضی خیر بن نعیم رحمہ اللہ کے سامنے خلیفۂ وقت عبد الملک بن مروان نے اپنے چچا زاد بھائی کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا اور جب قاضی صاحب کے سامنے پیشی ہوئی تو خلیفہ نے قاضی کے ساتھ ان کے قالین پر بیٹھنا چاہا، لیکن قاضی خیر بن نعیم رحمہ اللہ نے انہیں اٹھادیا اور فرمایا کہ اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ جاکر بیٹھو۔

اب دوسری طرف جمہوری نظام میں سربراہِ ریاست صدر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس مجرم کی بھی چاہے سزا معاف کردے یا اس کی سزا میں تخفیف کر دے، دستوری طور پر وہ اس کی کوئی وجہ بتانے کا بھی عموما پابند نہیں ہوتا۔ چناں چہ اس اختیار کے استعمال سے بڑے بڑے قاتلوں کی سزائیں معاف کی گئی ہیں اور یہ ایک انتہائی تعجب کی بات ہے کہ جس مجرم کا جرم ثابت تھا اور عدالت کی طرف سے اسے ایک طویل کارروائی کے بعد تمام متعلقہ شھادتوں کی بنیاد پر خوب چھان بین کرنے کے بعد سزا سنائی گئی تھی اور اس کے مقدمے پر نچلی عدالت سے لے کر عدالت عظمیٰ تک کئی سال کا عرصہ لگا اور لاکھوں روپے خرچ ہوئے اور نیچے سے اوپر تک تمام عدالتیں اس کی سزایابی پر متفق رہیں لیکن صدر مملکت نے اس ساری کارروائی کو نظر انداز کر کے محض اپنا صوابدیدی اختیار استعمال کرتے ہوئے اس کی سزا معاف کردی۔ اسلامی نظام پر اعتراض کرنے والے اور اس کو ظلم کا نظام قرار دینے والے جمہوری بتائیں کہ یہ بات عدل و انصاف کے کس حد تک مطابق ہے؟ ہر ذی عقل اس کا خود اندازہ لگا سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد مبارک اوپر نقل کیا گیا ہے وہ ایک ایسے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ جب ایک قبیلے کی ایک با اثر عورت کو چوری کی سزا ہوئی تھی اور اس کے قبیلے والوں نے حضور اقدس ﷺ کے محبوب صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ذریعے یہ سفارش کروائی تھی کہ اس عورت کی سزا معاف کردی جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس بات پر شدید ناراضی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اگر اس کی جگہ میری بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اس کے علاوہ موجودہ سیکولر ڈیموکریسی کا دعویٰ کرنے والے اکثر ممالک میں شخصی قوانین کے معاملات میں بھی تمام باشندوں کو بلا لحاظ مذہب ایک ہی قانون کا پابند بنادیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نکاح و طلاق اور میراث و وصیت کے معاملات میں بہت سے باشندے اپنے مذہب کے خلاف عمل کرنے پر مجبور

ہوجاتے ہیں دوسری طرف سیکولر ازم کا دعوی یہ ہے کہ اس کے تحت ہر مذہب والے کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے لیکن عمل یہ ہے کہ ہر مذہب والا نکاح و طلاق اور وراثت و وصیت کے معاملے میں اپنے مذہب پر عمل نہیں کرسکتا۔ چناں چہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان معاملات میں ملک کے قوانین پر عمل کریں چاہے وہ ان کے دین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، جو کہ صریح ناانصافی ہے، دوسری طرف اسلامی حکومت ہر مذہب والے کو یہ آزادی دیتی ہے کہ وہ ان معاملات میں اپنے مذہب پر عمل کرے، چناں چہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "**اتركوا هم وما يدينون**" (ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے دو۔) اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلم باشندے عام قوانین کی حد تک تو ملکی قوانین کے پابند ہوتے ہیں لیکن نکاح و طلاق اور وراثت کا تعلق چوں کہ انسان کے عقیدے اور مذہب سے ہوتا ہے اس لیے اس میں انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل ازادی دی گئی ہے۔

اب اسلامی حدود و قصاص کی طرف آتے ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹنا یا کوڑے مارنا یا شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا اسلامی نظامِ حکومت کا انصاف ہے یا ظلم۔ میں قرآنِ کریم کی ایک آیتِ کریمہ سے اس کی وضاحت کروں گا، اللہ تعالی کا ارشادِ پاک ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

اللہ تعالی نے اس ایتِ کریمہ میں قصاص کے قانون کو زندگی قرار دیا ہے، حالاں کہ قاتل کو قتل کرنا حقیقت میں اس کی زندگی نہیں لیکن شریعت کے اس حکم میں بہت بڑا فائدہ اور حکمت پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ جب قاتل کو پہلے سے معلوم ہو کہ اگر میں کسی کو ناحق قتل کروں گا تو مجھے بھی اس کے بدلے قتل کیا جائے گا تو وہ اس اقدام سے رک جائے گا، اگر زانی کو معلوم ہو اور یہ یقین ہو کہ اگرمیں زناکروں گا تو مجھے سو کوڑے لگیں گے یا مجھے سنگسار کیا جائے گا تو وہ کسی کی عزت خراب اور کسی خاندان کو داغدار نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر چور کو یہ یقین ہوجائے کہ اگر میں چوری کروں گا تو میرا ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا تو وہ کسی کا مال چوری کرنے کا ارادہ نہیں کرے گا اور نہ ہی مال والا اپنے مال کی حفاظت کے بارے میں فکرمند ہوگا۔

اب مغربی نظام کے پجاری اور جمہوریت کے دلدادہ لوگ بتائیں کہ کسی کو ناحق قتل کرنے والے قاتل کو معاف کرنے والا نظام، کسی کی عزت خراب کرنے اور خاندان کو ہمیشہ کے لیے داغدار کرنے والے کو معاف کرنے والا نظام اور لوگوں کے مالوں کو لوٹنے والے ڈاکو کو معاف کرنے والا نظام عدل و انصاف پر مبنی نظام ہے یا ان مجرموں کو سزا دینے والا نظام عدل و انصاف پر مبنی ہے؟

کیا جو نظام ایسے مجرموں کو قانونی آزادی دے اور دوسری طرف کروڑوں انسانوں کے حقوق پامال کرے اور ان پر ظلم کرنے والے مجرموں پر ترس کھائے ا و ررحم کرے، کیا ایسا نظام ان مجرموں کے ہاتھوں شکار مظلوموں سے حقیقت میں ظلم نہیں کرتا؟ اور کیا جو نظام معاشرے میں ایسی افراتفری پھیلاتا ہو کہ نہ کسی کا مال محفوظ نہ کسی کی جان اور نہ ہی کسی کی عزت و آبرو محفوظ تو آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسا نظام عدل و انصاف والا نظام ہے یا وہ نظام عدل و انصاف پر مبنی ہے جو ایسے مجرموں کو سزا دے کر ان سے دوسرے بے ضرر لوگوں کو محفوظ کرے۔

تو الحمد للہ اسلام اگر ایک طرف چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کے ہاتھ کی قیمت کو ہدر کردیتا ہے تو دوسری طرف اس ایک ہاتھ کاٹنے سے پورے معاشرے کو امن و سکون سے زندگی گزارنے کا ماحول فراہم کرتا ہے ، چور چوری کر کے خود اپنے قیمتی ہاتھ کو کاٹے جانے کا مستحق بنا دیتا ہے، زانی دوسرے کی عزت کو پامال کرنے کی وجہ سے خود اپنی جان کو کوڑوں یا سنگساری کا مستحق بنادیتا ہے۔

لہٰذا ایسے مجرموں کو سزا دینا اور ان کو قانون کی گرفت میں لانا ظلم و ناانصافی نہیں بلکہ ان کو آزاد چھوڑنا اور معاف کرنا خود ان کے ساتھ بھی ظلم ہے اور باقی پورے معاشرے کے ساتھ بھی ظلم و ناانصافی ہے۔

نمائندۂ مجلہ طالبان:

محترم قاضی صاحب ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنی اتنی زیادہ مصروفیات کے باوجود ہمارے لیے وقت نکالا اور ہمارے سوالات کے جوابات دیے اور اسلامی نظام کے بابرکت نظام کی برکات سے ہمیں اور ہمارے قارئین کو آگاہی دی۔ جزاک اللہ خیراواحسن الجزاء

قاضی صاحب:

آمین، اللہ تعالی آپ کی اس دعوتی کوششوں کو قبول و منظور فرمائیں اور آپ کے ادارے کو مزید کامیابی اور ترقی عطاء فرمائیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

"اگر وہ نافذ کرتے تورات، انجیل اور جو احکام بھی ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کئے گئے تو وہ کھاتے اپنے اوپر (آسمان) سے اور اپنے پیروں کے نیچے (زمین) سے بھی"

ملک کی اقتصادی بہتری اور ترقی اللہ تعالی نے عدل و انصاف اور اسلامی نظام و معاشرے کے اجراء میں رکھی ہے ، نہ کہ سودی نظام اور کفار کے قرضوں میں۔ جس زمین پر اللہ تعالی کا نظام نافذ ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے انسانوں کے لیے اپنے خزانے اگلتی ہے، اور آسمان سے ان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں "سواد العراق" کے خراج کی آمدن ایک کروڑ تیں لاکھ تھی، آپ رضی اللہ عنہ کے بعد اس میں وقتا فوقتا کمی آتی رہی، یہاں تک کہ ظالم حجاج کا زمانہ آیا تو یہ آمدن صرف اٹھارا لاکھ رہ گئی، لیکن جب عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو پہلے ہی سال اس علاقے کے خراج کی آمدن تیں لاکھ تک بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے دوسرے سال ساٹھ لاکھ تک پہنچ گئی۔


دستور پاکستان

کیا دستورِ پاکستان اسلامی ہے؟

استاد ظاہر مدنی

دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے مابین تضادات

شریعتِ مطہرہ کاایک مسلّم اصول یہ ہے کہ شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہی ہو ، تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حکمِ شریعت ہے کہ کسی ایسے کام کو حلال قرار دینا جس کے حرام ہونے پر اجماع ہو یا کسی ایسے کام کو حرام قرار دینا جس کے حلال ہونے پر اجماع ہو یا اجماع سے ثابت شدہ شریعت کے کسی حکم کو تبدیل کر ڈالنا کفر ہے ۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شراب یا زنا یا چوری یا لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنا حلال ہے تو اس نے کفر کیا۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کا حق صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لئے خاص نہیں بلکہ یہ حق پارلیمان کی دوتہائی اکثریت کو یا کسی اور کو بھی حاصل ہے تو اس نے بھی کفر کیا ، اگرچہ اس نے عملاً کبھی بھی شریعت کے مخالف قانون سازی نہ کی ہو، اسی طرح جو شخص ایسے قوانین بنائے جو شریعت سے متصادم ہوں یا جو شریعت سے بالا فیصلے کرنے کا اختیار دیں یا شرعی احکام رد کرنے یا ان پر نظرِ ثانی کرنے کا حق دیں تو یہ شخص بھی کافر ہے ۔

دستورِ پاکستان میں موجود خلافِ شریعت قوانین کی چند مثالیں :

پہلا تضاد: حاکمیت کا حق ؟

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی کا حق

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی محض اللہ تعالی کا حق ہے ، قانون سازی کو محض اللہ تعالی ہی کا حق سمجھنا اسلامی عقیدے کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے جو کہ قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے ۔

پاکستان میں قانون سازی کا حق

پاکستان میں قانون سازی کا مطلق حق پارلیمانی اکثریت کو حاصل ہے ، دستورِ پاکستان جوکہ بقول ان کے " ابو القوانین " ہے، اس میں یہ بات پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ دستور میں ترمیم کرنے اور نئے قوانین صادر کرنے کا حق نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کے سوا کسی کو حاصل نہیں، لہٰذا دستور کے عطاء کردہ حق کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو پاکستان کانام " اسلامی جمہوریہ پاکستان " رکھ دیں اور اگر یہی لوگ چاہیں تودو تہائی اکثریت کے ساتھ اس کا نام تبدیل کر کے "امریکی جمہوریہ پاکستان " یا " مسیحی جمہوریہ پاکستان " رکھ دیں ، اس طرح اگر نمائندگانِ پارلیمان چاہیں تو " وفاقی شرعی عدالت " قائم کردیں اور اگر چاہیں تو "وفاقی غیر شرعی عدالت " قائم کر دیں ، ان کو مکمل حق حاصل ہے ، اسی طرح اگر یہ چاہیں تو دستور کو مکمل تبدیل کرکے اس میں سے وہ مواد بھی حذف کردیں جس کی بناء پر دستورِ پاکستان یا ریاستِ پاکستان کے اسلامی ہونے کاشبہ پیدا ہوتا ہے ،یہ ان کا حق ہے جس کی ضمانت خود دستور انہیں فراہم کرتاہے ۔

دستور کی دفعہ ۲۳۸ اور ۲۳۹

دستور کی دفعہ "۲۳۸" واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ پارلیمان کو دستور میں ترمیم کا حق حاصل ہے ، جبکہ دفعہ"۲۳۹" میں آئینی ترمیم کے لئے دو تہائی اکثریت کی شرط لگائی گئی ہے ، اس کے علاوہ اس دفعہ کے تحت پانچوے اور چھٹے بند میں دو انتہائی اہم باتیں نصاً مذکور ہیں:

۱. پہلی بات یہ کہ کسی بھی آئینی ترمیم کے خلاف کسی سطح کی عدالت میں کسی بنیاد پر بھی اعتراض کرنا ممکن نہیں ۔

۲. دوسری بات یہ کہ ہر قسم کے شک کو رفع کرنے کے لئے یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ مجلسِ شوریٰ (پارلیمان) کو دستور کی دفعات میں ترمیم کا لا محدود حق حاصل ہے ۔

دوسرا تضاد :بعض اشخاص اور ادرے ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالا تر ہیں

دستورِ پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں :

دفعہ ۲۴۸ :

دستورِ پاکستان کی دفعہ ۲۴۸ یہ کہتی ہے کہ اپنے فرائض اور دیگر امور کی انجام دہی میں صدرِ پاکستان

کو کابینہ یا وزیرِ اعظم کے مشورے کے مطابق عمل کرنا ہوگا ۔

پھر اسی دفعہ کی دوسری شق میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ پہلی شق میں بیان کردہ اصول کے باوجود جن امور میں صدر کو اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے کا حق حاصل ہے وہاں وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے گا اور جو کام صدر نے اپنی صوابدید پر کئے ہوں ان پر کسی بھی وجہ سے خواہ کچھ بھی ہو اعتراض نہیں کیا جاسکتا ۔

پھر اسی دفعہ کی چوتھی شق میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ کسی قسم کی عدالت، ٹریبونل یا کوئی اور مجاز ادارہ یہ تفتیش کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ کابینہ، وزیرِ اعظم، کسی وزیر یا وزیرِ مملکت نے صدر کو مشورہ دیا تھا یا نہیں اور اگر دیا تھا تو کیا دیا تھا ۔

گویا اگرصدرِ پاکستان فوج کویہ حکم دےکہ قبائل پرحملہ کر کے انہیں روندھ ڈالو یا اپنے خفیہ اداروں کو یہ حکم دے کہ ایسی تمام معلومات امریکا کے حوالے کر دی جائیں جو انہیں افغانستان پر حملے یا عرب و غیرعرب مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لئے درکار ہیں یا اسی طرح انہیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکا کے حوالے کردو ...... تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے ، پھر اگر کوئی وزیر صدر کو یہ نصیحت کرے کہ یہ تمام کام اسلام ، اخلاق اور مروت کے منافی ہیں اور ان کے نتیجے میں پاکستان مصائب کا شکار ہو گا ، لیکن پھر بھی صدر ان تمام جرائم کو نافذ کرنے پر مصر رہے تو نہ اس سے پوچھ گچھ ممکن ہے نہ ہی اس کے خلاف یہ حجت قائم کرنا ممکن ہے کہ اس پر جرم اچھی طرح واضح کردیا گیا تھا پھر بھی اس نے اس کا ارتکاب کیا ۔

دفعہ ۲۴۸:

آئینِ پاکستان کی دفعہ ۲۴۸ صدرِ پاکستان، وزیرِ اعظم، صوبوں کے گورنر، وزرائے اعلیٰ اور وفاقی اور صوبائی وزراء کے ان تمام افعال کو مطلق طور پر ہر قسم کی عدالتی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے، جو انہوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کئے ہوں، بالخصوص صدر اور گورنر کے خلاف نہ تو کسی قسم کی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے نہ ہی ان کی گرفتاری کے حکم نامے جاری ہوسکتے ہیں اور نہ ہی کسی شرعی اور غیرشرعی عدالت کو یہ اختیا حاصل ہے کہ صدارت و گورنری کے دوران انہیں عدالت میں طلب کرے ۔

دستور میں یہ بات تو درج ہے کہ مذکورہ اشخاص اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے دوران جو افعال بھی کریں ان کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی ...... لیکن ایسی کوئی شرط مذکور نہیں کہ ان افعال کا شریعت کے موافق ہونا لازم ہے یا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب بھی فوج کا کوئی سربراہ حکومت کا تختہ اُلٹتاہے تو ایمر جنسی نافذ کر کے اپنی مرضی کے قوانین ، احکام اور ضابطے صادر کرتاہے پھر یہ مرحلہ گزرنے کے بعد وہ مختلف شیطانی حیلے استعمال کر کے پارلیمان سے ان تمام کرتوتوں پر عام معافی حاصل کر لیتا ہے جو اس سے ایمر جنسی کے دوران صادر ہوئیں اوریہ عام معافی اسے ہر قسم کی عدالتی کارروائی سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے ۔

دفعہ ۲۴۵:

اس دفعہ کے مطابق مسلح افواج کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی بیرونی حملے یا خطرۂ جنگ کی صورت میں وفاقی حکومت کے احکام کے مطابق پاکستان کا دفاع کریں اور جب بھی انہیں شہری انتظامیہ کی مدد کے لئے طلب کیا جائے تو اس کی مدد کریں ۔پھر اسی دفعہ کی شق دو میں کہا گیا ہے :

"اس حوالے سے وفاقی حکومت جو احکام ت بھی جاری کرے ان کی صحت کو کسی بھی عدالت میں زیرِ بحث نہیں لایا جاسکتا۔"

یعنی پاکستان بھر کو امریکا کی خدمت پر مامور کرنا اور اس کے تمام افرادی و مالی وسائل صلیبی قوتوں کے تابع کرنا پرویز مشرف کا دستوری حق تھا ، اسی دستور نے پرویز کویہ اختیار بخشا کہ وہ پاکستانی فوج کو صلیبی اتحاد کا حصہ بنائے ،اسی کے ذریعے پاکستان کی مسلح افواج ، پولیس اور خفیہ ادارے مسلمانوں کے قتلِ عام ، امارتِ اسلامیہ کے خاتمے ، مجاہدین کے قتل ، گرفتاری ، ٹورچر اور پھر امریکا کے حوالے کردینے جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہوئے، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس کے بعد پرویز نے انہی اداروں کو داخلِ پاکستان بھی مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے گھر اور بستیاں برباد کرنے، لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر بمباری کرنے، اس کے طلبہ و طالبات کو بے دردی سے قتل کر کے ان کی قبریں تک چھپا دینے کے احکام جاری کئے۔

لیکن یہ سب قیامتیں ٹوٹنے کے بعد بھی "اسلامی" جمہوریہ پاکستان کا "اسلامی" دستور پرویز مشرف کو مکمل تحفظ فراہم کرتے ہوئے آج تک اس کے محاسبے کی راہ میں حائل ہے، اور نہ تو کوئی شرعی عدالت اور نہ ہی کوئی شیطانی عدالت پرویز کو طلب کرنے یا محض عدالت میں پیش ہونے پر مجبورکرنے کی جرأت رکھتی ہے نہ حق، پھر بھی یہ کہتے ہیں :

"ہمارا دستور اسلامی ہے۔"

دفعہ ۱۶۹ :

پاکستان کے دستور کی دفعہ ۱۶۹ کہتی ہے کہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے لے کر ۲۰ اپریل ۱۹۷۲ء کے درمیان جاری ہونے والے تمام صدارتی فرامین ، مارشل لاء ضوابط اور دیگر قوانین کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ دائر نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ ۶۶:

اس دفعہ کے تحت پارلیمان کے ہر رکن اور ہر اس شخص کو جو پارلیمان میں بات کرنے کا اختیار رکھتاہے یہ تحفظ فراہم کیا گیا ہے کہ وہ پارلیمان میں جو بات بھی کرے اس کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی ، لیکن اسی دفعہ کی شق تین میں یہ مطالبہ کیا گیاہے کہ جو رکن پارلیمان بھی کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے کمیٹی کے سربراہ کے مطالبے کے باوجود اپنی دستاویزات یا دیگر ثبوت پیش کرنے سے انکار کرے اسے سزا دینے کے لئے قانون سازی کی جائے یعنی پارلیمان کے ہر رکن اور پارلیمان میں گفتگو کا حق رکھنے والے ہر شخص کو اجازت ہے

کہ پارلیمان میں جو چاہے کہے، جس پر چاہے زیادتی کرے، جس چیز کا چاہے مطالبہ کرے، جس چیز کی چاہے ترغیب دلائے، یہ دفعہ اس کو مکمل تحفظ دے گی، اسے دوسروں کی عزت اچھالنے، بہتان تراشی کرنے، گناہوں پر اُبھارنے، کفر بکنے، اسلام کا مذاق اُڑانے اور ملکی راز افشا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے اور اس سب کے باوجود اس کا شرعی محاسبہ تو دور کی بات عدالتی محاسبہ بھی نہیں کیا جاسکتا ۔ صرف یہی نہیں بلکہ دستور لکھنے والے کو اس بات پر بھی حیاء نہ آئی کہ اسی دفعہ کے تحت پارلیمان سے اپنے راز یا دستاویزات پوشیدہ رکھنے والوں کی سرزنش کا مطالبہ تو کیا جائے ، لیکن لوگوں کی عزت و ناموس پہ زبان درازی کرنے اور اسلام پر کیچڑ اُچھالنے والوں پر کوئی گرفت نہ ہو ۔

اظہارِ رائے کی ایسی مطلق اور گستاخانہ آزادی دینے کے بعد بھی ان کے ضمیر و جذبات میں کوئی ہل چل پیدا نہ ہوئی!......یہی دراصل وہ انگریزی ثقافت ہے جس میں اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام اور مسلمانوں کی عزت و ناموس کا کوئی پاس و لحاظ نہیں، البتہ اس کے علاوہ ہر شے محترم و مقدس ہے ۔

تیسرا تضاد:سربراہِ ریاست(صدر) کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

دستور کی دفعہ ۴۵ صدر پاکستان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی عدالت، ٹریبونل یا دیگر ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا، بشمول سزائے موت کو معاف، ملتوی، معطل یا تبدیل کردے ۔یعنی یہ دستورایک ایسا دین پیش کرتاہے جس میں حاکم اعلی سربراہِ ریاست ہوتاہے، نہ کہ مالک کائنات اللہ عزوجل۔ دسمبر ۱۹۸۸ء میں صدر پاکستان نے مذکورہ دفعہ سے حاصل شدہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے تمام فیصلوں کو معطل کرڈالا ۔

صدرپاکستان کا یہ دستوری حق شریعت سے صراحتًا متصادم ہے ، شریعت تو یہ حق صرف مقتول کے ورثاء کو دیتی ہے کہ وہ قصاص لیں یا بالکل معاف ہی کردیں ۔

۱۹۸۸ء میں ان دستوری دفعات پر بحث شروع ہوئی جو قوانین پاکستان کوشریعت کے موافق ڈھالنے کا مطالبہ کرتی ہیں ۔یہ بحث ۱۹۹۲ء تک جاری رہی، یہاں تک کہ بالآخر سپریم کورٹ نے اپنا تاریخی فیصلہ سناکر یہ بحث ہی ختم کردی۔سپریم کورٹ نے کہا:

" عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی قانون کو اس بناء پر غلط قرار دے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدودسے متجاوز ہے۔"

چوتھا تضاد:

قاضی(جج) کے لئے عادل (نیک پرہیزگار پابند شریعت) ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، اور مسلمان ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لئے عائد کی گئی ہے ۔ اسلام میں قاضی یعنی جج کے لئے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے ۔ عادل کا لفظ یہاں شرعی اصطلاح کے طورپر استعمال ہورہا ہے عوام کے سمجھانے کےلئےاس کو نیک پر ہیز گارسے تعبیر کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس سے اس کا پورامفہوم نہیں حاصل ہوتا۔

پاکستانی دستور صرف وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت مرافعہ بینچ کے قاضیوں کےلئے مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے ۔باقی تمام عدالتوں کے قاضیوں کے لئے دستور ایسی کوئی شرط عائد نہیں کرتا جبکہ عادل ہونے کی شرط تووفاقی شرعی عدالت سمیت کسی بھی عدالت کے لئے نہیں عائد کی گئی ۔

کفار اور فساق کو قاضی مقرر کرنا آئینِ پاکستانی کی رو سے جائز ہے جبکہ شریعت کی رو سے ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے ۔چنانچہ اس دستور نے نہ صرف ایک ناجائز بات کو جائز ٹھہرایا بلکہ اسے ایک باقاعدہ قانون کا درجہ دے کر اللہ کے حرام کردہ امر کو حلال قراردیا ۔گویایہ دستور اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال قرادینے اور حکم الہی سے متصادم قانون سازی کرنے جیسے عظیم جرائم پر مشتمل ہے ۔

علماء فرماتے ہیں کہ جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کرکوئی دوسرا قانون اختیار کیا تو گویا اس نے اس خود ساختہ قانون کو شریعت الٰہیہ کے برابر ٹھہرایا اوردیگرخودساختہ خداؤں کو اللہ کے مساوی گردانا۔انسانوں کے لئے قانون بنانا تو ربوبیت اورالوہیت کا خاصّہ ہے اور اسی لئے یہ محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ قانون سازی کرے۔

اسی طرح اس شخص کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں جو شریعت الٰہی کو بالکلیہ تو ترک نہیں کرتا لیکن اس شریعت میں من مانی ترمیم کرتاہے ۔اللہ کی شریعت میں ترمیم کا حق تو اسی کو ہوسکتا ہے جو (نعوذباللہ) اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کراختیار رکھتا ہو۔ پس جو کوئی بھی ایساکرے ، یعنی شریعت کی جگہ کوئی دوسرا قانون اختیار کرے یا شریعت میں من مانی ترمیم کرے تو گویا اس نے خود کو اللہ کا ہمسر بنانے کی کوشش کی، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند وبرترہیں۔اور یہ وہ عظیم جرم ہے جسے قرآن نے کفر وشرک قراردے کر ملیامیٹ کرنے کا حکم دیا ہے ۔اور بلاشبہ یہ شریعت کی مخالفت کی انتہائی صورتیں ہیں۔

پانچواں تضاد:سربراہ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

دستور کی دفعہ" ۴۱"وہ شروط ذکرکرتی ہے جن کا سربراہِ ریاست میں پایا جانا لازم ہے ۔ان شروط میں سربراہِ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط کا کوئی ذکر نہیں حالاں کہ اس شرط پر تو تمام علماء کا اجماع ہے کہ شریعت نہ تو نماز میں عورت کی امامت کو جائز قرار دیتی ہے نہ ہی ملکی معاملات میں عورت کی امامت کودرست سمجھتی ہے ۔

چھٹاتضاد:ہر اس شخص کو سزاسے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قراردئیے جانے سے قبل کیا ہو:

دستور کی دفعہ ۱۲ کہتی ہے کہ مؤثر بہ ماضی سزادینا جائز نہیں۔یعنی اگر ایک شخص نے کوئی جرم اس وقت کیا جبکہ نہ تو قانون میں اسے جرم قرار دیا گیا تھا،نہ ہی اس پر کوئی سزامقرر تھی تو اسے بعد میں سزانہیں دی جاسکتی ۔اسی طرح اگراس وقت کوئی سزامقرر تھی تو اس مقرر سزاکے علاوہ کوئی دوسری سزایااس سے بڑی سزابھی نہیں دی جاسکتی،گویااگرکوئی شخص شرعاً کسی جرم کا مرتکب ہو اور اسے عدالت میں پیش کرکے شرعی طریقہ کار کے مطابق اس کا مجرم ہونا ثابت بھی کردیا جائے تب بھی اسے سزانہیں دی جاسکتی جب تک کہ یہ ثابت نہ کردیا جائے کہ جرم کے ارتکاب کے وقت یہ کام پاکستانی قانون میں بھی جرم تھا ۔بلاشبہ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک باطل اصول ہے کیونکہ اس کے مطابق شرعی احکامات اس وقت تک واجب العمل نہیں ہوتے جب تک پاکستانی پارلیمان یا سربراہ ریاست ضابطے کی کاروائیاں پوری کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون نہ قرار دے دے ۔گویا اللہ کی نازل کردہ شریعت ان کے نزدیک واجب الاتباع شریعت ہی نہیں، کیونکہ ان کی قانون ساز مجلس(پارلیمان) نے اسے منظور نہیں کیا۔

اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی عطاکردہ شریعت اور پاکستانی پارلیمان سے صادرہونے والے قوانین دومختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان نہایت واضح تضاد ہے۔رب کی نازل کردہ شریعت توکسی انسانی پارلیمان سے منظوری کی محتاج نہیں ۔یہ تو اسی وقت سے واجب العمل ہے جب سے حق تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے امت تک پہنچایا۔کوئی دنیاوی قانون اس شریعت کو تسلیم کرے یا نہ کرے شریعت الٰہی کی قدرومنزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔یہ پاکیزہ شریعت تو بعثت نبوی ﷺ کے وقت سے موجود اور واجب العمل ہے، چودہ سوسال اسلامی سلطنتوں میں عملاً نافذرہی ہے اور شرعی قاضی اسی کے مطابق ان چودہ صدیوں میں فیصلہ کرتے آئے ہیں۔ سو یہیں سے اس بات کا دروازہ کھلتا ہے کہ غیر شرعی سزائیں شرعی سزاؤں کا متبادل قرار پائیں، شریعت توغیرشرعی سزاؤں کو لائق اعتبارہی نہیں سمجھتی، للذایہ اصول شرعاًناقابل قبول ہے ، جبکہ پاکستان میں قانون سازی کا حق صرف ارکان پارلیمان کو حاصل ہے،جب چاہیں کسی حکم کو قانون کی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج کردیں ۔

دستورلکھنے والوں کو اس بات پر بھی حیانہ آئی کہ انہوں نے ہی(۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد)دستور پاکستان کی مخالفت کرنے والے کو تو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزاکا مستحق گردانا،لیکن شریعت رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ کے تحت پورا تحفظ فراہم کیا۔اس سے ثابت ہوتاہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکار ی ہیں ۔

ساتواں تضاد:ایک جرم پر دومرتبہ سزادینے کی مطلق ممانعت

دستور کی دفعہ" ۱۳" ایک جرم پر دومرتبہ سزادینے سے منع کرتی ہے ۔ شریعت کے پیمانے سے یہ اصول تبھی درست ہوسکتاہے جب اس جرم پر پہلی مرتبہ دی گئی سزاشریعت کے مطابق ہو۔البتہ اگر پہلی سزابھی غیر شرعی ہوتو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوری، زنا یا قتل کے جرم کا مرتکب ہواور پاکستانی عدالتیں اسے غیرشرعی سزادے دیں یا پھر صدر پاکستان اپنے صوابدیدی اختیارات استعال کرتے ہوئے اس سزامیں تخفیف کردے تو دفعہ" ۱۳"کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ اب اس پر شرعی سزاقائم کرسکے اور یقینایہ امر شرعاً ناقابل قبول ہے ۔

عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو دوہری سزاکی قائل بھی نہیں ،یہ عدالتیں کسی بھی سزاکو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک کہ وہ پاکستانی قانون میں مدون نہ ہو۔اس کا عملی نتیجہ ایک مثال کے ذریعے سمجھاجاسکتاہے ۔فرض کیجئے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا ملزم پیش کیاجاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزادی جاچکی ہے تو اگرچہ دفعہ" ۱۳" کے تحت اسے دوبارہ سزادینا ناجائز ہے لیکن پاکستانی عدالت اسے پھر بھی دوبارہ سزادے گی الا یہ کہ پہلے دی گئی سزاکسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طورپر جاری ہوئی ہو۔

آٹھواں تضاد:سود کے حوالے سے دستور کا موقف

دستور کی دفعہ "۳۸"اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح وبہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا۔

ا. یہ عبارت مستقبل کے لئے ایک وعدہ تھا جو کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی پورانہیں ہوسکا۔اس وعدے کی مثال اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا یا میں عنقریب اسلام قبول کرلوں گاتو کیا محض ایک زبانی وعدے پر یہ شخص نمازی یا مسلمان کہلا سکتاہے؟

ب. علاوہ ازیں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون ساز قوت کی حامل نہیں، نہ ہی یہ عدالتوں کے معاملات پر اثرانداز ہوتی ہے، اس کی حیثیت تو ایک وعدے سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے وکیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ دفعہ"۱۹"سے دفعہ" ۴۰" تک کے احکام صرف رہنمااصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں نہ کہ نا فذالعمل قوانین کی ،للذانہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کرسکتی ہے نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذکرسکتی ہے ۔

ج. اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ سود پاکستان میں عملاً وقانوناً جاری وساری ہے ۔ دفعہ" ۳۸"کی یہ عبارت ۱۹۵۶ کے دستور میں بھی موجود تھی ۔مگرآج پچاس سال سے زائد عرصہ گزرجانے کے باوجود بھی یہ وعدہ وفانہیں ہوسکااور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلتاچلاجارہاہے ۔

تزویراتی تجزیہ

پاک بھارت جنگ

کے خطے پر سیاسی و اقتصادی اثرات

پاکستان اسلام کے نام پر بننے والا جدید دنیا کا واحد ملک ہے ۔جس کے قیام کے لئے دس لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔مگر ۷۰ سال گزرنے کے بعد بھی اس ملک میں اسلامی نظام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ اس ملک میں اسلام کے نفاذ کے لئے مختلف ادوار میں ہر مناسب و ممکن کوششیں کی گئیں مگر سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس ناکامی کی وجہ مسلمانان وطن کی کمزوری یا ناقص حکمت عملی نہ تھی بلکہ مغرب نواز حکمرانوں کی ہٹ دھرمیاں اور وعدہ خلافیاں تھیں جنہوں نے اپنے اقتدار کو بچانے ، مغرب کو خوش کرنے اور اسلامی نظام سے طبعی نفرت کی وجہ سے مسلمانان پاکستان کے اسلامی نظام کے مطالبے کو حیلے بہانے اور ٹال مٹول سے آج تک پورا نہیں کیا۔اللہ کی نازل کردہ شریعت کو نافذ نہ کرنے کا انجام یہ ہوا کہ قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد اس ملک میں علاقائیت، عصبیت اور لسانیت کے بدبو دار نعرے اٹھنے لگے اور اسلام کے نام پر بننے والا یہ ملک عصبیت کے نام پر دو لخت ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

زیرِ نظر مضمون محترم عدنان رشید صاحب کے قلم سے "تکبیر میڈیا" پر شائع ہونے والا ایک تجزیہ ہے۔ افادیت کے پیشِ نظر "مجلّہ طالبان" اپنے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہے۔واضح رہے کہ تجزیہ نگار کے موقف سے ادارے کا موافق ہونا ضروری نہیں۔

جس طرح سے یہ ملک دو ٹکڑے ہوا، مشرقی پاکستان یعنی موجودہ بنگلہ دیش کے مسلمانوں کا جو حال ہوا، وہ تحریر میں لاتے ہوئے بھی قلم کانپ اٹھتاہے۔ڈھاکہ کو جس نے بھی ڈوبتے دیکھا ہے اس نے وہ حالات اُس درد و الم سے قلمبند کئے ہیں کہ جو شاید یہاں بیان نہ کئے جاسکیں۔آج کے جدید دور اور نئے عالمی نظام کے تحت اپنے حقوق کے لئے ایک انچ زمین بھی حاصل کرنا آگ کا دریا پار کرنے کے مترادف ہے ۔ ہم نے اسلام کے نام پر حاصل کردہ ڈیڑھ لاکھ مربع کلومیٹرکا بنگلہ دیش کھو دیا اور اس پر کھڑی سرکاری اور دفاعی تنصیبات، عسکری سازوسامان، بحری جہاز،فضائیہ اور بیش بہامال و دولت کو بھی انڈین آرمی کی تَوَلِّیَت میں دے دیا اور سب سے ذلت کی بات تو یہ کہ ۹۰ ہزار پاکستانی فوجی بھی ناپاک مشرکوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر سرینڈر ہوئے۔

یہاں پر ایک اہم نقطہ ذہین نشین کرلیا جائے کہ پاکستانی فوج کےپاس اُس وقت ہتھیار موجود تھے تب ہی تو ان سےہتھیار ڈلوا کر سرینڈر کروایا گیا اور کافی مقدار میں اسلحہ کے ذخائر بھی تھے جس سے کم ازکم ایک مہینہ تک انڈین آرمی کو روکا جاسکتا تھا ۹۰ ہزار کی تعداد میں فوج کا ہونا اور اپنی سرزمین پر ہونا، یہ سب وہ مثبت عوامل اور اسباب تھے جو پاکستانی فوج کے پاس تھے مگر کچھ بھی ان کے کام نہ آیا اور پاکستانی فوج نے اپنی جانیں بچانے اور انڈین جیلوں میں جانے کو ترجیح دی۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا، اس کی وجوہات کچھ ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ پاکستان کے دشمن بے شمار ہیں، اس کی وجہ اسلام ہے، یہ بیرونی بھی ہیں اور داخلی بھی۔ بیرونی عالمی قوتیں بھی اس ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتی ہیں تاکہ یہاں کے مسلمان علاقائیت، لسانیت اور فرقہ واریت میں بٹ جائیں اور یہاں کبھی بھی اسلامی نظام کا اجراء نہ ہوسکے ، اور ان کے اس ایجنڈے کو اسلامی نظام سے طبعی طور پر عداوت رکھنے والے اور اقتدار کے پجاری سیاسی رہنما پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سرگرم ہیں۔ اپنے مذموم سیاسی مقاصد تک پہنچنے کے لئے ان ایجنٹوں کے پاس سب سے بڑا ہتھیار جمہوریت کا ہے۔ ماضی میں یہ تجربہ کامیاب رہا اور جمہوری لیڈروں اورجرنیلوں نے مل کر اس ملک کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا ۔

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا جدید بھارت اور پاکستان کا قیام۔ کشمیر کا تنازعہ مذہبی ہے ، سیاسی یاعلاقائی یہ ایک الگ بحث ہے، ہر ایک کے حق میں دلائل موجود ہیں۔مگر ہمارا موضوع اس تنازعے کے نتیجے میں چھڑنے والی ممکنہ جنگ اور جنگ کے نتیجے میں پاکستان ، جنوبی ایشیا اور پوری دنیا پر اس کے ممکنہ اثرات ہیں۔ ممکنہ اثرات سے مراد امکانی و احتمالی صورتیں ہیں جن کو قرائن اور تجربوں کی بنیاد پر بیان کیا جائے گا ۔

پاک فضائیہ میں زندگی کا کچھ عرصہ گزارا اور افواج پاکستان کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا۔ افواج پاکستان کی تشکیل پاکستانی معاشرے سے ہے، جس طرح پاکستانی معاشرے میں مختلف مکاتب فکر کے لوگ موجود ہیں اسی طرح فوج کے اندر بھی مختلف طبقات اور مکاتب فکر کے لوگ موجود ہیں۔فوج کی یکساں وردی اگرچہ ان کی ظاہری شکل کو ایک بنا کر پیش کرتی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے، فوج کے آہنی پردوں سے کسی خبر کا باہر آنا محال ہے اور قوم کو آئی ایس پی آر سے منظور شدہ اطلاعات ہی میسر آتی ہیں ۔

پاکستانی فوج کا سیکولر ماحول

پاکستانی فوج کا ماحول سیکولر ہے یا مذہبی؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فوج میں ہر ایک مذہب اور فرقے کو عبادت کی آزادی حاصل ہے۔ مسلمانوں کے لئے مساجد، شیعہ لوگوں کے لئے امام بارگاہیں، عیسائیوں کے لئے چرچ تعمیر کئے گئے ہیں۔ شیعہ لوگوں کو قریبی شہر میں ماتم پر لےجانے، عیسائیوں کے لئے رمضان میں دن کو کھانے کا انتظام ، کرسمس کی تقریبات اور قادیانیوں کو اپنے مذہبی اجتماعات میں شرکت کے لئے سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔

افواج پاکستان میں اسلام اور دیگر مذاہب ایک برابر ہیں۔اگر کوئی مسلمان فوجی کوئی دوسرا مذہب اختیارکرنا چاہے تو اس کی مذہب کی تبدیلی کا سرکاری کاغذات میں اندراج کا خرچ فوج خود برداشت کرتی ہے۔کوئی مسلمان فوجی نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزہ رکھے یانہ رکھے یا دیگر اسلامی شعائر کا اہتمام کرے یا نہ کرے یہ اس فوجی کی اپنی مرضی ہے۔ فوجی جو تربیت اپنے گھر اور ماحول سے لے کر آیا ہوتا ہے اس کی نجی زندگی پر اس کا اثر ہوتاہے۔ البتہ فوج میں صوم وصلوٰۃ اور سنت نبوی ﷺ کے اہتمام کرنے والے فوجیوں کو حقارت اور شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس قسم کے فوجیوں کو ہمیشہ تنقید اور تحقیر کا سامنارہتا ہے۔

پاکستان کی فوج اپنے فوجیوں کو یہ تربیت دیتی ہے کہ افسران بالا کا جو بھی حکم موصول ہو اس کو بلا چوں و چراں فوری طور پر عمل میں لایا جائے۔ چاہے وہ حکم قرآن و سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور چاہے یہ حکم پاکستان میں بسنے والی کسی قوم کے رسم و رواج اور روایات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ فوج کے کسی ادارے میں بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات نہیں د ی جاتیں البتہ اسلامی اخلاق پر چند لیکچر کورس کا حصہ ہوتے ہیں ۔تاکہ قوم کو یہ بتایا جاسکے کہ فوج کو اسلامیات بھی پڑھائی جاتی ہے۔

افواج پاکستان میں ایک مسلمان،قادیانی ، ہندو، سکھ، عیسائی اور مجوسی کی عزت برابر ہے۔ اگر آپ کا افسر قادیانی ہو یا عیسائی اور آپ ایک مسلمان ہیں تو آپ کو بلاچوں وچراں اس کا حکم ماننا پڑے گا۔ اس کو دیکھتے ہی ہر بار آپ کو سلوٹ یعنی سلام کرنا ہی پڑے گا ۔ چاہے آپ کا عقیدہ آپ کو اس کی اجازت دے یا نہ دے۔ ا گر آپ اس کے ماتحت ہیں اور دوران ڈیوٹی نماز کا وقت آگیا تو آپ کو اس غیرمسلم افسر سے نماز ادا کرنے کی اجازت لینی پڑے گی، اگر اس نے اجازت دی تو بہتر وگرنہ ڈیوٹی چھوڑ کر نماز ادا کرنا قابل سزا جرم سمجھاجاتاہے۔ اس کی قیادت میں اگر آپ کو اپنے ہم مذہب بھائیوں کے خلاف بھی لڑنا پڑ جائے تو آپ کے لیے لڑنے کے سوا کوئی

چارہ نہیں۔ میجر افضال قادیانی اورمیجر سرموس مسیح ،مجاہدین کے خلاف فوجیوں کی قیادت کرتے ہوئے مارے گئے ۔ آج فوج ان کو آفیشل طور پر شہید کہہ کر پکارتی ہے اور کسی بھی فوجی کی یہ جرت نہیں کہ وہ ان غیرمسلم فوجیوں کو شہید کہہ کر یاد نہ کرے۔

فوج کے اندر جو مساجد کے آئمہ کرام ہیں دراصل وہ بھی فوجی علما ہی ہوتے ہیں۔ جو پاکستان کے مدارس دینیہ سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں جن میں مفتیان کرام بھی ہوتے ہیں ۔لیکن چونکہ ان علماء کرام کی نیت ہی نوکری کرنے کی ہوتی ہے اور وہ دین کے علم سے دنیا کمانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو ذلت ان کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ ساری عمر ایک دینی رہنما کی بجائے کسی دربار کے مجاور کی طرح فوج کی خدمت میں لگ جاتے ہیں۔ فوج اپنے داخلی ، خارجی ، دینی یا دنیاوی کسی بھی معاملے کا کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت ان علما کو زحمت نہیں دیتی۔

فوج کے اندر سب فوجیوں کی تفریح کے لئے سینما گھر موجود ہیں ۔ رہائش گاہوں میں ٹی وی و کیبل کی سہولیات ہر فوجی کو میسر ہیں، سال میں کئی بار میوزیکل نائٹس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں ملک کی مشہور اداکاراؤں کو بھاری معاوضہ دے کرپرفارمینس کے لئے بلایا جاتا ہے۔ دوران تربیت ایک فوجی کو ایسی سرگرمیوں میں شرکت کرنا لازمی ہوتا ہے البتہ تربیت کے بعد فوجی جوش و خروش سے ایسی محفلوں میں خود ہی شرکت کرتے ہیں۔

قارئین اس بات پر حیرانگی محسوس کر رہے ہوں گے کہ بات تو کشمیر اور پاک بھارت جنگ کی ہورہی تھی اور یہ بات کہاں سے کہاں نکل گئی ۔ دراصل اس جنگ کو سمجھنے کے لئے فریقین کی مجموعی حالت کو بھی سمجھنا ہوگا۔ درج بالا حقائق جو میں نے پاکستانی فوج کے بارے میں بیان کیے اس قسم کی مذہبی آزادی ہمارے روایتی حریف بھارت میں بھی تمام فوجیوں کو حاصل ہے اور اسی قسم کی مذہبی آزادی امریکہ، اسرائیل اور برطانیہ کی فوج میں شامل مسلمان فوجیوں کو بھی حاصل ہے۔

بھارت کی فوج کا نعرہ ہے نام ، نمک ، نشان اور پاکستانی فوج کا نعرہ ہے ایمان، تقوی ، جہاد فی سبیل اللہ۔ جہاں تک نعروں کی بات ہے تو ایک نعرہ یہ بھی تھا کہ پاکستان کامطلب کیا؟ لاالہ الااللہ اور ۷۰ سال گزرنے کے بعد بھی یہ ملک لاالہ الااللہ کے نظام سے محروم ہے۔ اسی طرح پاکستانی فوج بھی ایمان، تقوی اور جہاد فی سبیل اللہ کے عملی نمونے سے محروم ہے۔فوج کی ایمانداری، اس کا متقی پن اور اس کا امریکی قیادت میں جہاد فی سبیل اللہ ،پوری پاکستانی قوم کےسامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

پاکستان کے خلاف عالمی سازشیں

داناؤں کا قول ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ ایک بار پھر اس پاک وطن کو مزید ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں۔وطن عزیز کی معاشرتی، دفاعی اور اقتصادی حالت ویسی ہی ہوچکی ہے جو ۱۹۷۱ء میں بن چکی تھی۔ ملک کی بڑی سیاسی پارٹیاں فوج کے خلاف کھل کر بول رہی ہیں ۔ فوج کرپشن کے خاتمے کی آڑ میں اپنے سیاسی مخالفین کے گرد گھیرا تنگ کر رہی ہے۔پشتون اور بلوچ قبائل فوج کے خلاف عسکری اور غیر عسکری انداز سے بر سر پیکار ہیں۔ ملکی خزانہ کنگال ہوچکا ہے اور بیرونی قرضوں کا صرف سود چکانا ہی مشکل ہوگیا ہے۔ بیروزگاری ، غربت اور مہنگائی خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے جس کے خاتمے کے دور دور تک کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے اور نتیجتا ملک روز بروز تباہی کی طرف بڑھ رہاہے۔

کشمیر کو پاکستان اپنی شہ رگ کہتا تھا اور بھارت اس کو اٹوٹ انگ۔ بھارت نے آخر کار اپنا دعویٰ سچا کر دکھا دیا۔پاکستان کا امتحان ابھی باقی ہے۔جنگ سے امن بہترہے۔ لیکن کچھ اقدامات اعلان جنگ ہوتے ہیں اور جب دشمن بار بار جنگ کے لئے پکارتا ہو تو غیّور قومیں پھر میدان میں اترا ہی کرتی ہیں لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے جن معاملات کو افہام و تفہیم اور صبر و برداشت سے حل کرنے کی ضرورت تھی ان کا حل فوج کشی میں سمجھا گیا اور جن معاملات کا حل ۷۰ سال سے افہام و تفہیم میں تلاش کیاجارہا ہے ان کا حل جنگ کے سوا کسی اور چیز میں دکھائی نہیں دیتا۔

ہندوستان نے لائن آف کنٹرول اور فاروڈ باؤنڈری پر چھوٹے پیمانے کی جنگ چھیڑ دی ہے اور جب تک وہ اس کو فل سکیل وار یا بڑی جنگ میں نہ بدل دے،وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا۔پاکستان کی فوج اس جنگ سے اگرچہ پہلو تہی کر رہی ہے لیکن پھر بھی یہ جنگ ہوکر ہی رہے گی۔لیکن آخر کیوں؟

اس کے اسباب کئی ہیں ۔ سب سے پہلا سبب وطن عزیز پاکستان کے اندرمسلم دنیا کا امام بننے کا وہ پوٹینشل یا صلاحیت ہے جو ہمارے دشمنوں کو کھٹکتی ہے۔ پاکستان کو اللہ تعالی نے ہر دینی و دنیاوی دولت سے مالامال کیا ہے۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ دینی مدارس، علماء کرام، حفاظ کرام، مفتیان کرام ، تبلیغ دین کے داعیان کرام، صوفیان کرام ،مجاہدین کرام اور اللہ کے راستے میں اپنا مال لگانے والے اہل خیر حضرات پاکستان میں ہیں۔

اللہ تعالی نے ہمارے پیارے وطن کو ایسی جغرافیائی حیثیت دی ہے کہ دنیا اس کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہے۔ اس میں ہر طرح کا موسم پایا جاتا ہے۔ دریا،صحرا، سمندر ، پہاڑ، جنگلات ، میدان، مویشی، فصلیں،ہنر مند، ذہین و فطین افراد، غیرت مند اور بہادر عوام، اللہ نے کیا کچھ نہیں دیا اس ملک کو۔مگر افسوس صد افسوس کہ آج تک کوئی ایسا حکمران اس وطن عزیز کو نہ مل سکا جو ان نعمتوں کی قدر کرکے اللہ کی دی ہوئی اس پاک سرزمین پر اللہ کا نظام نافذ کرسکے اور اس کو امت مسلمہ کا امام بنا سکے۔اس کے برعکس جو بھی آیا اس نے اس ملک کو بے دردی سے لوٹا، اپنے آقاؤں کو خوش کیا، عوام کو بھیڑ بکری سمجھ کر ان کا استحصال کیا اور اقتدار کے بعد اپنے آقاؤں کے قدموں میں پناہ لے بیٹھا۔وطن عزیز کے ساتھ ان غداریوں میں فوجی و سول دونوں حکمران برابر کے ملوث ہیں اور ملک کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔

دوسرا اہم سبب عالمی قوتوں کا وہ گریٹ گیم ہے

جس کے تحت وہ مسلم دنیا کے ہر ملک کو ایک ایک کرکے تباہ و برباد کرنا چاہتی ہیں اور وہاں کی مسلمان عوام کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنانا چاہتی ہیں ۔ مسلمانوں کے تمام کاروباروں، تجارتوں اور وسائل پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے گھروں اور زمینوں سے بے دخل کرکے ان کو مہاجر کیمپوں میں ڈالنا چاہتی ہیں ۔ مسلمانوں کے ممالک میں سیاسی عدم استحکام پیدا کرکے وہاں پر خانہ جنگی کروانا چاہتے ہیں۔مسلمان ممالک کو مزید چھوٹی چھوٹی ایسی ریاستوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں جن پر ان ہی کے لے پالک لوگوں کی حکومتیں ہوں، تاکہ دنیا میں کوئی مائی کا لعل بھی ان کو آنکھ نہ دکھا سکے ۔

پاکستان کو بھی اس عالمی منصوبے کا سامنا ہے اور جس حالت تک آج پاکستان کو پہنچا دیا گیا ہے اس عالمی منصوبے کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہ گیا۔ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے کشمیر تو ایک بہانہ ہے۔ اگر پاکستان کا ہندوستان سے کشمیر پر تنازعہ نہ بھی ہوتا تو بھی پاکستان کا یہی حال ہونا تھا جو آج ہے۔ عراق مسلم دنیاکا ایک طاقتور ملک تھا۔جس بہانے سے اس کو برباد کیا گیا وہ ماضی قریب کی بات ہے۔ لیبیا، یمن اور شام کی حالت ہم سب کے سامنے ہے۔ عرب دنیا میں کون سا ایسا ملک ہے جو ان عالمی قوتوں کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے؟ عرب دنیا کے جنگ زدہ ممالک میں مسلمانوں کی حالت زار بیان سے باہر ہے۔ مسلمانوں کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں۔ خیمہ بستیوں میں محصور یہ مسلمان وبائی امراض کا شکار ہیں۔ امن نام کی کوئی چیز ان ممالک میں باقی نہیں رہی ۔

پاک بھارت جنگ کا تزویراتی تجزیہ

عالمی قوتیں بھارت کو فرنٹ پر رکھ کر پاکستان کے ساتھ فل سکیل وار چھیڑنے اور فیصلہ کن حملہ کرنے میں چند سوالوں کے جواب تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں۔ اول یہ کہ اگر بھارت پاکستان پر حملہ کرتا ہے تو نیٹو سپلائی روٹ کو کیسے اس کی زد سے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔تاکہ امریکہ اگر جنگ جاری رکھنا چاہے تو اس کو سپلائی جاری رہے اور اگر اس خطے سے نکلنا چاہے تو واپسی کا راستہ بھی کھلا رہے۔جو کہ جنگ چھڑنے کی صورت میں بالکل ناممکن دکھائی دیتا ہے، اس وجہ سے عالمی قوتیں ابھی ہندوستان کو فیصلہ کن جنگ چھیڑنے کا حکم نہیں دے رہیں۔البتہ چھوٹے پیمانے کی جنگ ، معاشی و اقتصادی حربوں اور سفارتی حکمت عملی سے پاکستان کو کمزور اور تنہا کرنے کی سازشیں جاری ہیں۔پاکستان بھارت کو حملے سے باز رکھنے کے لئے امریکہ طالبان مذاکرات کو کسی نہ کسی حربے سےسبوتاژ کرتارہے گا، یہ سبوتاژی طالبان رہنماؤں کے قتل یا افغانستان میں بڑی عسکری کارروائیوں کی شکل میں جاری رہے گی، کیونکہ امریکہ کا اس خطے سے نکلنا کسی بھی طرح سے پاکستان کے مفاد میں نہیں ، اس لئے پاکستان کبھی بھی نہیں چاہے گا کہ افغانستان میں امریکہ طالبان مذکرات کامیاب ہوں ،کیونکہ اس سے پاکستان کی بقاوابستہ ہے۔

دوسرا بڑا اہم سوال جو عالمی قوتوں کو پریشان کئے ہوئے ہےوہ پاکستان کا ایٹم بم ہے۔ عالمی قوتیں جن کو عالمی برادری بھی کہا جاتا ہے، پاکستان کا ایٹم بم ان کی آنکھ میں کانٹے کی طرح چبھتاہے، اس ایٹم بم نے ان کی راتوں کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔اگر عوامی رد عمل کا ڈر نہ ہوتا تو پاکستان کے یہ خائن حکمران و جرنیل اس ایٹم بم پر بھی کب کا سوداکر چکے ہوتے۔

تیسرا سوال عالمی قوتوں کے سامنے پاکستانی مجاہدین کا ہے چاہے وہ پاکستان کے اندرموجود جہادی تنظیموں کا حصہ ہوں یا شریعت کے مطالبے کی وجہ سے پاکستان سے برسرپیکار مجاہدین ۔ یہ عالمی قوتیں ان مجاہدین کو کلی طور پر ختم کرنا نہیں چاہتیں بلکہ ان کو کمزور کرکے ان کو اپنے زیر اثر لاناچاہتی ہیں تاکہ ان پر اثر انداز ہوکر اس خطے میں اپنے مذموم مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔اگر یہ مجاہدین ان کے اثر سے محفوظ رہے تو پھر عالمی قوتیں جہاد کے نام پر مسلح قوتیں وجود میں لائیں گی۔ کیونکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر ہی عالمی قوتوں کو پاکستان میں قدم جمانے کا موقع ملے گا۔یہ قدم جمانے کے لئے ان کو کوئی جواز چاہیے ہوگا جس کو پیدا کرنے کے لئے وہ اپنی مسلح قوتوں سے یہ کام لیں گی۔

چوتھا سوال پاکستان پر حملے کی کامیابی کے بعد اس کے علاقوں کی تقسیم کا ہے۔ عالمی قوتیں اس کام میں بہت تجربہ رکھتی ہیں۔ ان قوتوں نے پہلے وسطی ایشیا کی سلطنت بخاریٰ وسمرقند کے بخرے کئے جن کو آج ہم وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستیں کہتے ہیں جو آج بھی روس کے زیر اثر ہیں۔پھر انہوں نے خلافتِ عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کئے اور ان کو خلیج، مشرقِ وسطیٰ ،مغرب اقصیٰ اور مشرقی یورپ کی ریاستوں میں تبدیل کردیا۔اس کے بعد ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا خاتمہ کرکے بھارت کا قیام عمل میں لایا گیا اور مسلمان ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئے۔ پاکستان کو پہلے ہی دو لخت کردیا گیا ہے۔ اب اس کو مزید ٹکڑے کرنا ان کی فہرستِ اول میں ہے۔

مذکورہ سوالات کے ممکنہ جوابات:

پہلے سوال کا جواب آسان ہے ۔ امریکہ کے افغانستان سے انخلا تک پاکستان پر بھارت کی طرف سے بڑےاور فیصلہ کن حملے کی توقع نہیں ہے کیونکہ اس سے عالمی قوتوں کے مفادات متاثر ہوں گے ۔ حملے سے نیٹو سپلائی روٹ بند ہوجائے گا ۔ امریکہ افغانستان میں پھنس کر رہ جائے گا اور اس کو ذلت آمیز شکست ہوجائے گی اور امریکہ کے پاس فضائی راستے کے ذریعے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر راتوں رات بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔امریکہ کا روس کی طرز پر انخلا عالمی قوتوں کے نقصان میں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب اچھا خاصا مشکل ہے ، عالمی قوتوں کے پاس چند زیر غور منصوبے ہیں جو کہ پاکستان کی انٹیلی جنس کے علم میں بھی ہیں۔ پاکستان کو ایٹمی قوت سے محروم کرنے کا پہلا متوقع منصوبہ یہ ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں کو ایک معاہدے کے تحت اپنے اپنے ایٹمی ہتھیار تلف کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سے ہندوستان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ جنوبی ایشیا میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو بھارت کا مدمقابل ہے باقی ممالک پہلے

ہی بھارت کے سامنے سرخم تسلیم ہیں۔ ہندوستان نے آج تک پاکستان کو ایٹم بم کی دھمکی نہیں دی لیکن پاکستان آئے روز اپنے دفاع میں ایٹم بم چلانے کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔کیونکہ ہندوستان سمجھتا ہے کہ اگر پاکستان سے یہ ایٹم بم چھین لیا جائے تو پاکستان بھارت کی اتنی بڑی عسکری قوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ انڈیا یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار بیٹھا ہے کیونکہ اس طرح پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا اس کا خواب پورا ہوسکتا ہے اور عالمی قوتیں پاکستان کو اس کے بدلے مالی امداد، قرضوں کی معافی ، تجارتی و عسکری پابندیوں کے خاتمے جیسی پیشکش کرسکتی ہیں۔

دوسرا حل اس مسئلے سے نمٹنے کا یہ ہے کہ پاکستانی فوج کی ملی بھگت سے پاکستان کے اندر خانہ جنگی اور سیاسی عدم استحکام پیدا کیا جائے ۔جیسا کہ ماضی میں بنگلہ دیش بنانے کے لئے کیا گیا اور جیسا کہ آج کل لیبیا میں ہو رہاہے۔پاکستانی سرحدات پر پڑوسی ممالک کے ساتھ چھوٹے پیمانے کی جنگ شروع کی جائے جیساکہ بھارت نے شروع کر دی ہے۔ ایران کئی بار سرجیکل سٹرائیکس کی دھمکیاں دے چکا ہے۔افغانستان کے ساتھ چمن، خوست اور طورخم بارڈرپر کافی دفعہ جھڑپیں ہوچکی ہیں۔ جب پاکستانی فوج سرحدا تی نورا کشتی میں مصروف کر دی جائے گی تو ملک کے اندر سیکورٹی اداروں کی گرفت کمزور پڑ جائے گی جو کہ خانہ جنگی کو سازگار ماحول فراہم کرے گی۔پاکستان کے اندر یا باہر موجود پاکستانی مسلح گروہوں کی عسکری سرگرمیوں میں تیزی اور اسلام آباد کی جانب معمولی سی پیش قدمی یا ملک پر قبضے یا خودمختاری کی بیان بازی سے عالمی قوتیں فائدہ اٹھائیں گی۔یہ وہ گھڑی ہوگی جب عالمی میڈیا پر پاکستان کے ایٹم بم کا غیرمحفوظ ہاتھوں میں جانے کا پروپیگنڈا زور وشور سے چل پڑے گا ۔آخر کار اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس بھارت کی درخواست پر بلایا جائے گا۔جس میں پاکستان کے ایٹم بم کو بین الاقوامی امن فوج کی تحویل میں دے دیا جائے گا اور وطن عزیز کو اس عظیم سرمائے سے محروم کردیا جائے گا اورحکومت اور فوج عوام کے سامنے مگر مچھ کے آنسو بہاکر قوم کو رام کریں گی۔ قارئین کو علم ہی ہوگا کہ پاکستان کےہی ووٹ سے انڈیا اب سلامتی کونسل کا رکن بن چکاہے۔

تیسرا حل اس مسئلے سے نمٹنے کا یہ ہے کہ بھارت یا اسرائیل بڑی جنگ سے پہلے یا بڑی جنگ کے دوران پہلے مرحلے میں یا حفظ ماتقدم یا پری ایمٹیو سٹرائیک کے ذریعے پاکستانی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کردے۔ ماضی میں اس طرح کی کوششیں دشمن کی طرف سے ہوچکی ہیں جن کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

کیا پاکستان حملے کی صورت میں واقعی ایٹم بم چلا دے گا؟ میرے خیال سے پاکستانی فوج کبھی بھی ایسا نہیں کرے گی کیونکہ سقوط بنگال کے وقت جب ایک امریکی صحافی نے پاکستانی فوج کے بریگیڈئر صدیق صاحب سے پوچھا کہ جب آپ کے پاس بھارت سے کم ازکم ایک مہینہ لڑنے کی صلاحیت موجود تھی تو آپ نے کیوں سرینڈر کیا؟ تو انہوں نے ایک دلچسپ جواب دیا کہ عوام کی زندگیاں بچانے کی خاطر۔تو کیا بعید ہے پاکستانی فوج ایک بار پھر اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چل پڑے۔ حسن اتفاق ہے کہ اب جب کہ میں اس تحریر کو لکھ رہاہوں پاکستان نے بھارت سے جنگ کی صورت میں ایٹم بم چلانے میں پہل نہ کرنے کا اعلان کیاہے۔

تیسرا بڑا مسئلہ عالمی قوتوں کو درپیش پاکستانی مجاہدین کا ہے۔چاہے وہ پاکستانی فوج کے ساتھ تعاون میں ہیں یا ان سے تضاد میں۔ عالمی قوتوں کے لئے یہ پریشانی کا باعث ہیں۔ بھارت کو اس بات کا ادراک ہے کہ پاکستانی فوج اس وقت تک ڈٹ کر لڑتی رہے گی جب تک گولہ بارود کے ذخائر ختم نہیں ہوتے اور جب تک ان کا طلب و رسد کا نظام برقرار رہے ۔ کچھ عرصہ جاری رہنے والی اس جنگ میں آخر کار جب بھارت پاکستانی فوج کو توڑنے میں کامیاب ہوجائے گا تو بھارت کا سامنا غیرمنظم، اپنی مدد آپ کے تحت ، دینی و قومی جذبے سے سرشار مجاہدین جانبازوں سے ہوگا، جو معمولی ہتھیاروں سے بھی بھارتی فوج کی پیش قدمی کو روک دیں گے۔

بھارت پاکستانی فوج کو اپنے لئے خطرہ نہیں سمجھتا۔ بھارت ان فوجیوں کے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں دانت گن چکا ہے۔ ان کے ۹۰ ہزار کو ہتھیار ڈلواکراپنی قید میں رکھ چکا ہے۔کشمیر کو ہڑپ کرکے ہضم کرچکاہے۔اب آزاد کشمیر کے بارڈر پر جنگ چھیڑ چکا ہے کیونکہ وہ اس کو بھی اپنا اٹوٹ انگ کہتاہے اور پاکستانی فوج کو اقوام متحدہ کے چارٹر اور عالمی عدالت انصاف یاد آرہے ہیں۔

عالمی قوتوں کو اصل خطرہ پاکستانی مجاہدین سے ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس پاک سرزمین کے نمک حلال بیٹے اور قانونی وارث ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہندو کے خلاف دل و جان سے بغیر کسی طمع ولالچ کے اپنی ماؤں ، بہنوں کی عزت و ناموس کے لئے لڑیں گے ۔ یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جو مساجد، مدارس اور قرآن کی حفاظت کے لئے لڑیں گی۔ پاکستانی فوج نے اپنے ان ہم وطن اور قومی بھائیوں کو خوب بدنام کیا۔ ان کا ہر طرح سے استحصال کیا۔ ان سے جیلیں بھریں۔ ان کو لاپتہ کرکے ان کی لاشوں کو مسخ کیا۔ ان کے گھروں کی چاردیواری کے تقدس کو پامال کیا۔ ان کی ماؤں ،بہنوں کو سڑکوں پر گھسیٹا، ان کی مساجد اور مدارس کو تالہ بند کیا۔ان کی دعوتی سرگرمیوں اور چندوں پر پابندی لگائی۔ ان کی قیادت کو بے دردی سےشہید کیا اور کچھ آج تک پابندسلاسل ہیں۔یہ سارا ظلم وستم پاکستانی فوج نے عالمی قوتوں کے حکم پرکیا تاکہ ان خون آشام آقاؤں کو خوش کیا جاسکے۔ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ مجاہدین پاکستان نے، چاہے وہ آج ملک کے اندر ہیں یا باہر دھکیل دیئے گئے ہیں ، ایک لمبے عرصہ تک فوج کے ان مظالم کو برداشت کیا۔

جو احباب پاکستانی فوج سے یہ توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ اس پاک وطن کا دفاع کرے گی ۔ تو کیا وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ماضی قریب میں یہ فوج امریکہ کی ایک ٹیلیفون کال پر ہی سرینڈر ہوگئی تھی اور سارا ملک ان کے حوالے کردیا تھا اور اس سرینڈر ہونے کا خمیازہ آج بھی پاکستانی عوام بھگت رہی ہے ، اور سرینڈر کرنے اور ہونے والے دبئی، آسٹریلیا اور

سعودی عرب میں اپنے کاروبار چمکا رہے ہیں، اور جنرل عبداللہ خان نیازی کی طرح مرتے دم تک قومی خزانے سے پنشن اور دیگر مراعات سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

فوج کی ڈاکٹرائن

دنیا میں آجکل باجوہ ڈاکٹرائن پر بحث ہورہی ہے۔ لیکن پاکستانی فوج کی اصل اور مجموعی ڈاکٹرائن کیا ہے؟ یہ صرف پاکستانی ہی نہیں بلکہ ہر تنخواہ دار ریاستی فوج کی ڈاکٹرائن ہے کہ ان کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ جنگ کی طاقت کس کے پاس زیادہ ہے اور جنگ کون جیت سکتاہے۔ یہ پہلے ہی سے حساب کرلیتے ہیں کہ جیت کس کی ہونی ہے، ان کےدل و دماغ شکست قبول کرچکے ہوتے ہیں اور جب دشمن کا پلڑا بھاری ہوتا ہے تو بجائے جنگ کا پانسہ پلٹنے اور بہادری کے جوہر دکھانے کے یہ فوجیں وردی اتار کر سول لباس زیب تن کرکے رفو چکر ہونے کو ترجیح دیتی ہیں اور اگر میدان چھوڑ کر بھاگنے کا موقع نہ ہو تو ان فوجیو ں کو جنیوا کنونشن کے تحت سرینڈر ہونے کا شدت سے انتظار ہوتا ہے اور پھر آزادی کی جنگ اس قوم اور مٹی کے بیٹے ہی لڑتے ہیں۔

صدام حسین اور قذافی کے عراق و لیبیا کی لاکھوں کی فوج کا آج تک پتہ نہ چل سکا کہ ان کوزمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔پاکستانی فوج اب تک دو بار سرینڈر کرچکی ہے۔ پہلی مرتبہ بھارت کی فوج کے سامنے بنگال میں اور دوسری مرتبہ ایک ٹیلی فون کال پر امریکہ کے سامنے۔ دونوں کے پیچھے یہی ڈاکٹرائن کارفرما تھی کہ لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں اورجیت تو آخر دشمن نے ہی جانا ہے۔

چوتھا سوال عالمی قوتوں کےسامنے پاکستان کی تحلیل کے بعد علاقوں کی تقسیم کاہے۔اس میں وہ جزوی طور پر کامیاب ہوں گے۔ بھارت کے حملے کے بعد ، جنگ کا پلڑا بھارت کے حق میں دیکھتے ہی پاکستان میں جاری علیحدگی پسند تحریکیں اپنی خود مختاری کا اعلان کردیں گی جن کو بعض عالمی قوتیں تسلیم کرکے ان کی مدد کے لئے پاکستان میں اپنی فوجیں اتاریں گی ۔ممکن ہے یہ بھارتی فوجیوں کو ان کے علاقوں میں داخلے پر فتح کے ہار پہنائیں اور اس کا استقبال بھی کریں ۔چونکہ پاکستان کے اندر بہت سی قومیں رہتی ہیں۔ ادھر بہت سے سیاسی ، لسانی اور مذہبی فرقے ہیں۔ اور ہر ایک کی تاریں ان کے سیاسی اور مذہبی پیشواؤں کےہاتھوں میں ہیں۔تو یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ شام کی طرز پر ہر ایک گروہ اپنے اکثریتی علاقے پر اپنا تسلط قائم کرلے اور اس طرح پاکستان بھی شام کی طرح عالمی طاقتوں کا اکھاڑا بن جائے۔

جس طرح شام میں مختلف مسلح گروہ پڑوسی ممالک اور عالمی قوتوں کی نیابتی جنگیں یا پراکسی وار لڑ رہے ہیں اسی قسم کا موقع ان کے پاس پاکستان میں بھی ہوگا۔ قادیانیوں کاعسکری ونگ الفرقان فورس آج بھی خفیہ طور پر فعال ہے اور اس کے کارکنان دنیا کی مختلف افواج میں عسکری خدمات سرانجام دے رہے ہیں ۔ برطانیہ ممکنہ طور پر قادیانی ملیشیا کو سپورٹ کرے گا۔ چین اپنے سی پیک کوبچانے کے لئے بلوچوں ، پشتونوں اور دیگر قوموں کے ساتھ منہ مانگی قیمت پر سمجھوتہ کرلے گا۔ جنا ح پور، سندھو دیش اور آزاد بلوچستان جیسی خود مختار ریاستوں کے نام ہم پہلے ہی سن چکے ہیں۔مقامی یا عالمی جہادی تنظیمیں یاتحریکیں جو پاکستان کے اندر یا باہر ہیں وہ بھی پاکستان میں اپنے اپنے مسکن بنا لیں گی۔ تو جو نقشہ پاکستان کا اس وقت بنے گا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت پاکستان کا کیا حال ہوگا۔

پشتون قبائل اور پشتون قوم کا جو حال پاکستانی فوج اور عالمی قوتوں نے ان ۱۸ سال میں دہشت گرد ی کے خلاف جنگ کے نام پر کیا ہے اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ شاید ہی کوئی پشتون خاندان ایسا ہو جس کے گھر سے یا اس کے رشتہ داروں کے گھر سے معصوموں کا جنازہ نہ اٹھا ہو۔ شاید ہی کوئی پشتون ایسا ہو جس کا کوئی پیارا لاپتہ نہ ہو ۔ شاید ہی کوئی پشتون خاندان ایسا ہو جس کے گھر میں کوئی بیوہ یا یتیم نہ ہو۔ شاید ہی کوئی پشتون گھر ایسا ہو جس کی چاردیواری اس فوج نے پامال نہ کی ہو اور یہی حال اس فوج نے بلوچوں کا کیا ہے۔ تو اس صورت میں پاکستانی فوج کس منہ سے ان قوموں سے مدد اور ہمدردی کی امید رکھتی ہے؟

بھارت جنگ کی دھمکیاں کیوں دیتا ہے؟

ہم ایک لمبے عرصے سے یہ سنتے آرہے ہیں کہ بھارت نے پاکستان کو جنگ کی دھمکی دی ہے۔بھارت بارڈر پر فوجیں بڑھا رہاہے۔ بھارت نے بارڈر کے قریب جنگی مشقوں کا آغاز کردیا ہے وغیرہ۔ لیکن حملہ ہوتا نہیں ہے۔ دراصل ایسی دھمکیوں کا مقصد پاکستان میں خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنا ہوتا ہے اور اس کا دشمن کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پاکستان کی اقتصادی ساکھ کو بڑے بڑے دھچکے لگ جاتے ہیں۔ بیرونی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری سے ہچکچاتے ہیں۔ جن تاجروں نے پہلے ہی سے پاکستان میں سرمایہ کاری کررکھی ہوتی ہے وہ اپنا سرمایہ و کاروبار بیرون ملک منتقل کردیتےہیں۔ان دھمکیوں کے نتیجے میں اب تک سینکڑوں اربوں ڈالر پاکستان سے باہر منتقل کئے جاچکے ہیں۔

پاک بھارت جنگ کے اقتصادی اثرات

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حملے کے بعد پاکستان کی سیاسی و جغرافیائی صورت حال کیا ہو سکتی ہے۔اس کا گہرا اثر عوام کی اقتصادی و معاشی حالت پر بھی پڑےگا۔ پاکستان کے دوبڑے اقتصادی شہر کراچی و لاہور ہیں۔ جو بین الاقوامی کاروبار کی منڈیاں ہیں۔ یہ دونوں شہر بڑے بڑے تاجروں کی آماجگاہیں ہیں۔ شومئ قسمت یہ دونوں شہر ہندوستان کی سرحد کے انتہائی قریب ہیں اور بھارت کے اہم اہداف میں یہ دونوں شہر شامل ہیں جن پر حملے سے یہاں کا کاروبارِ زندگی مکمل طور پر مفلوج ہوجائے گا۔جس سے پورا وطن شدید متاثر ہوگا۔جس طرح عراق کے کویت پر حملے سے کویت کی کرنسی بے قیمت ہوکر رہ گئی تھی اور وہاں کے لوگ محفوظ مقامات کی طرف نقل مکانی کرگئے تھے۔ اسی طرح پاکستان کے ان بڑے شہروں سے لوگ نکل کر اپنے آبائی علاقوں اور محفوظ مقامات کی طرف تیزی سے نقل مکانی کریں گے اور پاکستانی کرنسی گر کر بے قیمت ہوسکتی ہے۔پاکستانی برآمدات اور درآمدات بند ہوکر رہ جائیں گی۔ملک کے

کارخانے، صنعتی زون اور ملز بدامنی کی وجہ سے متاثر ہو جائیں گے۔ ملک میں اشیائے خوردونوش کا بحران جنم لے لے گا۔ ملک میں مہنگائی، غربت، بھوک اور بےروزگاری خطرناک حد تک بڑھ جائے گی۔ بے روزگار نوجوان اپنے قریب ترین مسلح گروہ کا حصہ بننے کا سوچیں گے، چناں چہ اپنے خاندان کا پیٹ پالنے اور ان کے تحفظ کے لئے وہ کسی لٹیرے گروپ کا رکن بننے سے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے۔

بھارت کا اس جنگ میں دوہرا فائدہ ہوگا، ایک تو وہ پاکستانی علاقوں کی لوٹ مار سے اپنی جیب بھرے گا، دوسرا ایران کی چاہ بہار بندرگاہ کا استعمال کرکے افغانستان کی منڈیوں میں پاکستان کی جگہ لے لے گا ۔ آج افغانستان تقریبا اپنی تمام تر ضروریات کراچی بندرگاہ اور پشاور و کوئٹہ کے ذریعے پوری کرہاہے۔جنگ کی صورت میں افغانستان چاہ بہار کے ذریعے بھارت سے اپنی ضروریات پوری کرے گا اور یہ بھارتی مصنوعات پاکستان میں بھی لیبل بدل کر داخل کی جائیں گی تاکہ پاکستان میں برپا اشیائے خوردونوش کے بحران سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔عالمی قوتوں کے اس منصوبے کو سمجھنے کے لئے یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ پورے ایران پر تو معاشی و تجارتی پابندی ہے مگر چاہ بہار کی بندرگاہ اس سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہے۔

پاک بھارت جنگ کے عالمی اثرات

جب عالمی قوتیں پاکستان کو اس جنگ میں مصروف کر دیں گی تو عالم اسلام کے باقی ماندہ ممالک کو پتھر کے دور میں دھکیلنے کے لئے اپنے منصوبے کا آغاز کریں گی۔ سعودی عرب ان کا ااگلا ہدف ہوسکتا ہے۔ کیونکہ پاکستانی فوج اور ریاست پاکستان کی تحلیل کے بعد پاکستان کا سعودی عرب کے ساتھ وہ دفاعی معاہدہ بے سود ثابت ہوجائے گا، جس کے تحت پاکستانی فوج سعودی عرب پر بیرونی حملے کی صورت میں سعودیہ کی دفاعی مدد کرے گااور پاکستانی فوج سعودیہ کی سرزمین پر اتر سکے گی۔ایران کا نمبر سعودی عرب سے پہلے بھی لگ سکتاہے۔ ایرانی جنگ میں عالمی قوتوں کے کئی بڑے فائدے ہیں۔ ایرانی تیل کے کنویں،ایران پر اپنی مرضی کی حکومت، شیعہ سنی فسادات ، سعودیہ میں موجود اہل تشیع کی بغاوت وغیرہ جیسے مقاصد ایران پر حملے سے حاصل کئے جائیں گے۔ اس سب بربادی اور فساد کا مقصد اسرائیل کو مشرق وسطیٰ کا سب سے طاقتور ملک بنا نا ہے تاکہ جب وہ اپنی سرحدات کو پھیلانا شروع کرے تو خطے کا کوئی ملک ایسا نہ ہو جو اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال سکے ۔

ایک سوال کا جواب

قارئین کے ذہن میں یہ سوال بار بار آرہا ہوگا کہ بھئی ! آپ بھی عجیب پاکستانی ہیں ۔ اپنی اس تحریر میں انڈیا کو جتوا دیا اور پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔حالانکہ ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے ہاں جیتیں گے ہر میدان میں ہرطوفان میں ہر مشکل میں جیتیں گے۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم ضرور جیتیں گے یہ تو اس وقتی شکست کی بات کررہا ہوں جو اس فوج ، اس نظام اور یہاں کے غدار سیاستدانوں کو ہوگی۔ اس شکست کے بہت سے فوائد بھی ہیں۔بہت سے آستین کے سانپ اور خائن آپ کے سامنے آشکارا ہو جائیں گے۔ اس پاک وطن کی خاطر اپنی جان لٹانے والے ااور اس کے مخلص باشندے بھی آپ کے سامنے ظاہرہوجائیں گے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا ۔

پاک بھارت جنگ کے سیاسی اثرات

بھارت کا یہ حملہ پورے جنوبی ایشیامیں اسلامی نظام کی نشاۃ ثانیہ کا سنگ میل ثابت ہوگا۔ملک سیاسی طور پر اسلام پسندوں اور عالمی قوتوں کے آلہ کاروں میں تقسیم ہوجائے گا۔ یہ آلہ کار لسانی، علاقائی اور فرقہ پرستی کے نعرے اور جھنڈے لہرا کر عالمی قوتوں کے منصوبوں کوآگے بڑھائیں گے۔دوسری طرف ملک کو عالمی قوتوں اور ان کی کٹھ پتلیوں سے آزاد کرانے کے لئے محب وطن مسلمان جہاد کا مقدس فریضہ سرانجام دیں گے۔ پاکستانی فوج میں موجود اسلام پسند فوجی بھی مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونا اپنی سعادت سمجھیں گے۔پاکستان کے پشتون اور پشتون قبائل اس جنگ میں زبردست کردار ادا کریں گے ۔

بھارت کو یہ جنگ اگر چہ ابتدا میں بہت خوشی دے گی لیکن اس کی یہ خوشی بہت جلد نہ ختم ہونے والے ماتم میں تبدیل ہوجائے گی۔ جس طرح آج سے ۱۹ سال قبل امریکہ نے افغانستان کی فتح کےشادیانے بجائے مگر آج یہاں سے فرار کے ذلت آمیز راستے تلاش کررہاہے۔ بھارت پاکستانی فوج سے یہ جنگ تو جیت سکتا ہے مگر پاکستانی عوام سے نہیں ۔عالمی قوتیں بھارت کو اس لامحدود جنگ میں دھکیلنے کے بعد بھارت کو تنہا چھوڑ دیں گی۔ نتیجتا بھارت میں بھی بغاوتیں زور پکڑیں گی۔بھارت حفظ ماتقدم کے طور پر اس ڈر سے کہ کہیں بھارت کے۲۰ کروڑ مسلمان جہاد کا اعلان نہ کردیں اپنی شدت پسند ہندوتنظیموں کے ذریعے مسلمانوں کو جنگ کی ابتداء ہی سے دہشت زدہ کرنا شروع کر دے گا تاکہ مسلمانوں کے حوصلوں کو پست رکھا جاسکے لیکن حق و باطل آخر کار ٹکرائیں گے اور باطل پاش پاش ہو جائے گا۔ پورا برصغیر حق و باطل کی اس جنگ میں دست و گریبان ہوجائے گا۔

پاکستانی مجاہدین کو عسکری حکمت عملی کے لحاظ سے دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے۔ ایک وہ ہیں جو پاکستان سے باہر محاذوں پر جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف عمل ہیں۔مجاہدین کا دوسرا طبقہ وہ ہے جو پاکستانی فوج سے شریعت کے مطالبے کی وجہ سے برسر پیکار ہیں۔ پاکستانی فوج اگر چہ ان کو خوارج ،ریاستِ پاکستان اور عوا م کادشمن قرار دیتی ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے اور جو ان صفات کاحامل ہے وہ تومجاہد ہی نہیں ہے۔ پاکستان کا اصل دشمن وہی ہے جو اس کے اساسی مقصد یعنی اسلامی نظام کے قیام کادشمن ہے۔اب یہ دشمنی چاہے فوج کرے ، سیاستدان یا بیوروکریٹس دراصل یہ لوگ ہی اس پاک وطن اور اس کے عوام کے اصلی دشمن ہیں۔

وآخردعواناان الحمدللہ رب العالمین

نوٹ: تجزیہ نگار کی یہ تحریر کسی جہادی گروہ یا جماعت یاکسی تنظیم یاتحریک کی ترجمانی یا عکاسی نہیں کرتی اس تجزیےکو تجزیہ نگار کا ذاتی نکتہ نظر سمجھا جائے۔

دوسرا حصه

خوارج

خارجی و افراطی نظریات اور جہادی تحریکات

مفتی عبد الحمید عثمانی



خارجی و افراطی نظریات اور جہادی تحریکات (دوسرا حصہ)

مفتی عبد الحمید عثمانی

تکفیری اور خوارج جب کبھی کافروں سے متعلق آیات مسلمانوں پر تطبیق کرکے انہیں مرتد قرار دیتے ہیں تو انہیں ایک خطرناک اور بارعب انداز میں قتل کرتے اور شہادت کے مرتبے پر پہنچاتے ہیں، ان قتلوں کو وہ کبھی کبھی کوئی نام بھی دیتے ہیں، جیسے "عبرت"، اور "فشرد بهم من خلفهم" جیسی قرآنی نصوص اس پر لگاتے ہیں۔ علامہ شاطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوارج اور تکفیری اپنا رعب اور ہیبت بڑھانے کے لیے مسلمانوں کا قتل ظالم حکمرانوں کی طرح جائز سمجھتے ہیں:

واستدلال القتل باسم الارهاب الذى يسميه ولاة الظلم سياسة وابهة الملك ونحو ذلك فظاهر ايضا وهو نوع من انواع الشريعة المخترعة وقد وصف النبى ﷺ الخوارج بهذا النوع من الخصال فقال ((ان من ضئضئى هذا قوما يقرءون القرآن لايتجاوز حناجرهم يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية))

"رعب، خوف اور دہشت ڈالنے کے لیے قتل جائز سمجھنا جیسا کہ ظالم حکمران رعب قائم کرنے اور اپنی سیاست قوی کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ یہ خود ساختہ شریعت کی ایک قسم ہے۔ نبی ﷺ نے خوارج کی یہی خصلتیں بیان کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس (ذوالخویصرہ) کی فکری نسل میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے (یعنی تلاوت بہت زیادہ کریں گے لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا (یعنی قرآن کا فھم ان کو حاصل نہ ہوگا)، مسلمانوں کو قتل کریں گے (یعنی ان کے قتل کو اہمیت دیں گے اور مشرکوں سے جنگ نہیں کریں گے) اور مشرکوں کو چھوڑ دیں گے، دین سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے، یعنی دین کی جو صحیح اور اصل تعبیر ہے اس سے نکل جائیں گے اور خود سے بدعی اور مخترع افکار ایجاد کریں گے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا:

وذلك ان الخوارج حكموا بكفر من خالفهم استباحوا دماءهم------ وتركوا قتال المشركين واستغلوا بقتال المسلمين

"یہ اِس وجہ سے کیوں کہ خوارج کبھی اپنے مخالفوں پر کفر کا فتویٰ لگا تے ہیں ------- ان کی جانوں کو مباح سمجھتے اور ان سے جنگ میں مصروف ہوجاتے ہیں اور مشرکوں سے قتال چھوڑ دیتے ہیں۔"

اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ھبیرہ سے روایت نقل کی ہے کہ خوارج سے قتال مشرکوں سے زیادہ افضل ہے، کیوں کہ اگر خوارج کو چھوڑ دیا جائے تو وہ مسلمانوں کا سرمایہ تباہ کردیتے ہیں:

عن ابن هبيره ان قتال الخوارج اولىٰ من قتال المشركين والحكمة فيه ان فى قتالهم حفظ راس مال الاسلام وفى قتال اهل الشرك جلب الربح ، و حفظ راس المال اولىٰ

"خوارج سے قتال اور جنگ مشرکوں سے افضل ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ خوارج سے جنگ میں اسلام اور مسلمانوں کے سرمائے کی حفاظت ہے اور مشرکوں سے جنگ میں مقصد مزید منافع حاصل کرنا ہوتا ہے، اور سرمائے کی حفاظت زیادہ مہم اور ضروری ہوتی ہے۔"

جہاد کے جن محاذوں میں ایسے غالی اور خارجی افکار ظاہر ہوئے، انہوں نے مسلمانوں کے تمام طبقات پر ایسے مظالم ، جرائم اور تشدد کیے جو کہ کفار نے اپنی تمام قوت اور وسائل کے باجود بھی نہیں کیے۔مسلمانوں کے عام طبقات کے ساتھ ساتھ دینی طبقہ بھی ان سے انتہائی متاثر ہوا۔ ان کے مال کفر و ارتداد کے نام پر مباح کیے گئے، اجتماعی شکل میں مختلف قسم کی کارروائیوں میں انہیں مارا گیا، علماء کرام اور مشائخِ عظام کی ایک بڑی تعداد جو کہ اس خارجی و تکفیری مزاج قاتلوں کی حمایت نہیں کرتے تھے، کو شہید کیا گیااور ان کی توہین کی گئی۔ ایسی ایسی قوموں میں جہادی دعوت تباہ ہو کر رہ گئی جن میں جہادی بیداری ایک بڑے انقلاب کی شکل میں پیدا ہوئی تھی۔ عالمی جہادی تحریک کو وہ نقصان پہنچا جو سالوں میں عالمی کفری اتحاد بھی نہیں پہنچا سکا تھا۔ وہ جہادی تحریکیں اور معسکر جہاں جماعت در جماعت لوگ آتے اور جہاد کی عسکری اور فکری تربیت حاصل کرتے تھے، ان افراطیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل، مسلمانوں سے مرتد کے نام پر ان کے مال لینے اور ان کے ساتھ بے دردی اور بے رحمانہ سلوک کی وجہ سے مسلمانوں کی ہمکاری اور تعاون ان کے ساتھ ختم ہوگیا اور نتیجتا وہ تفرد اور اکیلے پن کا شکار ہوگئے، جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے علامہ مناوی رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا کہ "**وخذلو بعد ماايدو**"

عالمی کفری اتحاد کی فکری یلغار اور نشریات نے جہادی دعوت کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا، اور نہ ہی وہ پہنچاسکتے ہیں، جتنا کہ جہادی صفوں میں خارجی طبقات کی فعالیتوں، کردار اور ان کی ناکام سیاست نے پہنچایا ، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ابوالفضل الصارم العراقی فک اللہ اسرہ کا قول ذکر کیا تھا کہ وہ کہتے ہیں :

ونحن نؤمن يقينا ان من اسباب تخلف النصر انتشار هذه الافكار البدعية الخبيثة

" ہمارا اس بات پر پورا یقین ہے کہ فتح اور غلبے کے مؤخر ہونے کے اسباب میں سے ایک ان خبیث بدعی خارجی افکار کا پھیلنا ہے۔"

ان افکار کے نتیجے میں ناجائز قتل، مجاھدین کی قیادتوں کی شھادتیں، مسلمانوں کے مال مرتد کے نام پر غنیمت کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ وہ چیزیں ہیں جس نے جہاد اور اس کے لیے دی گئیں قربانیوں کے ثمرات

کو بہت پیچھے دھکیل دیا۔

اسی وجہ سے نبی ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "**افلح من قتلهم او قتلوه**" (کامیاب ہے وہ مجاھد اور غازی جو خوارج کو قتل کرے اور کامیاب ہے وہ سنی مسلمان جو کہ خارجی کے ہاتھ سے شہید ہو جائے)۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لئن ادركتهم لاقتلنهم قتل عاد (اگر میں نے ان کو پایا تو قوم عاد کے قتل کی طرح ان کو قتل کروں گا۔)

خلاصہ یہ کہ خارجیت اور تکفیریت ایک خطرناک فتنہ ہے، جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کا بنیادی سرمایہ تباہ ہوکر رہ جاتا ہے۔

عراق، قفقاز اور سینٹرل ایشیا کی جہادی تحریکات معاصر عالمی جہاد ی تحریک کی بڑی بڑی شاخیں تھیں، مجاھدین اور حق پرست علماء کرام و مشائخ عظام اور اسلامی داعیوں کی سالوں کی محنتوں اور کوششوں کا جمع کیا ہوا سرمایہ تھا، لیکن جب ان میں تکفیری و افراطی اور خارجی افکار کا نفوذ ہوا تو اس کے نتیجے میں ان سے بےشمار بے احتیاط قتل ہوئے، معمولی احتمالات پر عام مسلمانوں اور خصوصا مجاھدین کی تکفیر شروع ہوگئی، اور جہادی صف خطرناک فتنے کا شکار ہوگئی، اللہ تعالی کی مدد و نصرت اور مسلمان عوام کا تعاون ان سے ختم ہوگیا، چناں چہ اب وہ بڑے بڑے جہادی جبہات کالعدم اور انتہائی ضعیف ہوچکے ہیں، واللہ اعلم کہ ان علاقوں میں جہادی تحریک دوبارہ کب اور کیسی بیداری اختیار کرے گی۔

اس افراطی، تکفیری و خارجی افکار اور اس کے نتیجے میں خطرناک مسلم کش جنگی سیاست کی وجہ سے علماء کرام اور مشائخ عظام کا ایک بڑا حصہ جو کہ پہلے ان جہادی تحریکات کے لیے سر چشمہ تھا، ان سے بدگمان اور بے زار ہوگیا۔ ان غیر معتدل اور غیر سنی، تکفیری اور خارجی افکار اور اس کے نتیجے میں مسلم کش اور مجاھد کش جنگی سیاست نے شام، پاکستان، یمن، صومال اور مالی کی جہادی تحریکات کو بھی بہت نقصان پہنچایا، اور کافی حد تک یہ مبارک جہادی تحریکات بھی متاثر ہوئیں۔

فتنۂ خارجیت کے سد باب کی ضرورت ہے:

اسی وجہ سے علماء کرام اور مشائخ عظام اور بالخصوص جہادی قیادتوں کو چاہیے کہ اس فتنے کے سد باب کی طرف خصوصی توجہ دیں اور اس کے لیے معتدل شرعی دورہ جات مرتب کریں۔

مجاھدین کی صفوں میں باطل ارجائی فکر کے رد کی طرف تو کافی توجہ ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے خارجی اور تکفیری مفکورے کے رد اور اس کے سد باب کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی، حالاں کہ نبی ﷺ نے دیگر باطل فرقوں کے بارے میں اتنی سختی نہیں فرمائی جتنی کہ خارجیت کے بارے میں آپ ﷺ نے اختیار کی، اور نہ ہی احادیثِ مبارکہ کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی اور باطل فرقے کے بارے میں ہے جتنا کہ اس خطرناک فرقے کے بارے میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی سالہا سال کے سرمائے اور قربانیوں کو تباہ کردیتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

هم شر الخلق والخليقة (یعنی یہ مخلوق میں سب سے بد تر لوگ ہیں اور سب سے برے اخلاق والے ہیں۔)

فاينما لقيتموهم فاقتلوهم فان قتلهم اجر لمن قتلهم يوم القيامة

"ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو، کیوں کہ ان کا قتل ان کے قاتل کے لیے قیامت کے دن اجر کا باعث ہوگا۔"

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خوارج کے فتنے سے قتال کے بارے میں صحیح احادیث کا ذخیرہ تواتر تک پہنچتا ہے، جیسا کہ عذاب قبر، شفاعت، دیدار الٰہی اور حوضِ کوثر کے بارے میں احادیث کا مقام ہے۔ دوسرے باطل فرقوں، جیسا کہ قدریہ اور مرجئہ وغیرہ کے بارے میں بعض احادیث سنن کی کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن صحت کے حوالے سے ان کا اتنا اونچا مقام نہیں ہے، بلکہ کوئی ثابت ہے اور کوئی ضعیف اور کسی کے بارے میں طعن بھی پایا جاتا ہے۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جاءت الاحاديث الصحيحة بقاتلهم والاحاديث فى ذمهم والامر بقتالهم كثيرة جدا وهى متواترة عند اهل الحديث مثل احاديث الرؤية و عذاب القبر و فتنته و احاديث الشفاعة والحوض - وقد رويت احاديث فى ذم القدرية والمرجئة، روى بعضها اهل السنن كابى داؤد و ابن ماجه و بعض الناس يثبتها و يقويها ومن العلماء من طعن فيها و ضعفها۔

دکتور علامہ اویس المظہری اپنی کتاب "**العلامات الفارقة**" میں لکھتے ہیں:

لم يامر النبى ﷺ بقتل طائفة قتل عاد الا فى هذه الطائفة ولم يامر بقتال اليهود والنصارا كذلک۔ وما ذلک الا لضررهم وشرهم المستطير الذى يفوق التصور فهم شر الخلق والخليقة وشرهم على المسلمين يفوق شرور الكفار

"رسول اللہ ﷺ نے دوسرے فرقوں کے قتل کا حکم قومِ عاد کی طرح نہیں فرمایا، مگر اس فرقے کے قتل کا حکم قومِ عاد کے قتل کی مانند کیا ہے، یہود و نصاری کے قتل کا حکم بھی اس طرح نہیں فرمایا۔ یہ صرف اس وجہ سے کیوں کہ ان کا ضرر اور شراتنا زیادہ ہے کہ تصور سے بھی باہر ہے، یہ مخلوق میں بد ترین مخلوق اور مخلوق میں سب سے برے اخلاق والے ہیں، اور مسلمانوں کے لیے ان کا فتنہ کافروں کے فتنے سے بھی زیادہ ہے۔"

خوارج کو جید علماء کی حمایت حاصل نہیں ہوتی:

افراطی و تکفیری خوارج کو کبھی بھی جید اکابر اور اہلِ حق علماء کرام اور مشائخِ عظام کی حمایت حاصل نہیں ہوتی۔ ان کی قیادت اور بنیاد میں جید، باتجربہ اور حق پرست فقہاء اور علماء کرام کبھی بھی نہیں رہے بلکہ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ خوارج "**سفهاء الاحلام**" اور "**حدثاء الاسنان**" (کم عقل و کم عمر) ہوں گے، یعنی فقاہت، سمجھ اور عقلمندی ان میں نہ ہوگی، اور وہ کم عمر لوگ ہوں گے، جیسا کہ ڈکتور علامہ مظہر الولیس حفظہ اللہ کہتے ہیں:

والخوارج ليس لهم علماء صدق وتجربة ربانيون يقودونهم

یعنی خوارج کے ساتھ ان کی قیادت کے لیے حقیقی باتجربہ (یعنی فقاہت اور سمجھ والے) خداپرست علماء کرام نہیں ہوتے۔ بلکہ حق پرست اور فقہ میں ماہر اور شریعت کی سمجھ رکھنے والے علماء کرام ان سے بے زار ہوتے ہیں، اگرچہ یہ افراطی، علماء کرام کے بارے میں مداہنت کا گمان کرتے، یا ان کو باطل پرست اور علماء سوء کہتے ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہوتا، علماء کرام کی جماعت میں اللہ تعالی نے بہت خیر رکھی ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**العلماء ورثة الانبياء**" (علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں)، اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا کہ "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا" (اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے لوگ (حقیقت میں) علماء کرام ہی ہوتے ہیں)۔ دنیا سے جب قرآن و سنت کا علم ختم ہوگا تو علماء کے ختم ہونے سے ہی ختم ہوگا۔

چناں چہ تمام علماء کرام یا ان کی اکثریت گمراہ، علماء سوء (باطل پرست) اور علماء السلاطان (درباری علماء) نہیں ہوسکتی۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض ایسے ہوں، لیکن عمومی طور پر علماء کرام میں خیر ہے اور وہ حق پر ہیں۔ایک تحریک اور جماعت سے علماء کرام کی بےزاری اس جماعت اور تحریک کے انحراف کی بڑی دلیل ہے۔

خوارج اور افراطی ہمیشہ متفرد ہوتے ہیں:

خوارج اور افراطی، پوری تاریخ میں ہمیشہ پوری امت میں متفرد اور اکیلے رہے ہیں، ان کا موقف اور رائے بھی پوری امت سے متفرد ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے ان کو بقاء بھی حاصل نہ رہی۔ کیوں کہ جب کسی سے امت کا افضل ترین طبقہ علماء کرام بےزار ہو تو پوری امت سے جدا اور متفرد بے خیر لوگ کبھی بھی باقی نہیں رہ سکتے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ "**كلما طلع قرن قطع**" (جب بھی ان کا سینگ ظاہر ہوگا کاٹ دیا جائے گا)۔

"**تهذيب اللغت**" میں ازہر کہتے ہیں:

والخوارج قوم من اهل الهواء لهم مقالة على حدة

یعنی خوارج بدعتیوں میں سے ایک ایسی قوم ہے جس کا پوری امت میں جدا موقف ہوتا ہے۔

ابن منظور "لسان العرب" (ص:۱۵۱ ج:۲) اور فیروز آبادی نے بھی "القاموس المحیط" میں یہی تعریف کی ہے۔

خوارج کا کوئی علمی اثاثہ باقی نہیں رہتا:

اس اکیلے پن اور تفرد کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ کوئی علمی ذخیرہ اور فکری اثاثہ بھی نہیں باقی بچتا۔ اسی وجہ سے تمام فرقے، چاہے وہ اہل حق میں سے ہوں یا اہل باطل میں سے، ان کی تفصیلی کتابیں، مراجع اور اصول لکھی ہوئی شکل میں موجود ہیں، لیکن خوارج اور تکفیریوں کے مذہب کے کوئی ایسے منظّم لکھے ہوئے اصول، معلوم مراجع اور مفصل کتابیں نہیں ملتیں، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واقوال الخوارج انما عرفناها من نقل الناس عنهم، لم اقف لهم على كتاب مصنف كما وقفنا على كتب المعتزلة و الرافضة و الزيدية والكراميه و الاشعرية اهل المذاهب الاربعة والظاهرية، و مذاهب اهل الحديث والفلاسفة والصوفية ونحو ذالك

"خوارج کے اقوال اور ان کی باتیں ہمیں لوگوں کی منقولات سے معلوم ہوئیں، ابھی تک مجھے ان کی کوئی لکھی ہوئی تصنیف نہیں مل سکی، جیسا کہ ان کے علاوہ دوسرے فرقوں کے افکار اور مواقف ہم نے ان کی کتابوں سے معلوم کیے، جیسا کہ معتزلہ، روافض، زیدیہ، کرامیہ، اشعریہ،چاروں مذاہب اور اہل ظاہر اور محدثین کے تمام مذاھب، اور فلاسفہ اور صوفیوں کے مذاھب ہمیں ان کی کتابوں سے پتہ چلتے ہیں، لیکن خوارج کے عقائد و افکار اور ان کے اقوال ان کی کتابوں سے معلوم کرنا بہت مشکل ہے، کیوں کہ ان میں جید علماء کرام نہیں ہوتے، وہ امت کے سواد اعظم سے کٹ کر ہر کسی سے حالتِ جنگ میں رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کٹ کرختم ہوجاتے ہیں اور ان کا تسلسل باقی نہیں رہتا۔"

البتہ یہ فتنہ وقتا فوقتا سر اٹھاتا رہتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت تک ان کے ظاہر ہونے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ ان کے ظاہر ہونے میں دجال بھی ہوگا، جیسا کہ حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں:

حتى يخرج فى عراضهم الدجال (ابن ماجہ)

ڈکتور مصطفیٰ حلمی اپنی کتاب "الخوارج" میں لکھتے ہیں:

ومن العسير الوقوف على معتقدات الخوارج من واقع كتبهم ------- فالغالب ان مكتبات المسلمين عارية عن مؤلفاتهم

"ان کی کتابوں سے ان کے عقائد معلوم کرنا بہت مشکل ہے، کیوں کہ غالب یہی ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانے ان کی کتابوں سے خالی ہوتے ہیں"

وجہ اس کی یہ ہے کہ ان میں باتجربہ، تبحر علماء کرام نہیں ہوتے اور دوسرا یہ کہ ہمیشہ پوری امت سے حالتِ جنگ میں رہتے ہیں، مسلح شکل میں ہوتے ہیں ، اپنے متفرد علاقوں کو دار السلام کہتے اور وہاں ہجرت فرض سمجھتے ہیں، اپنے رہبر کو امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کہتے ہیں۔ اکثر وہیں اپنے متفرد علاقوں میں ختم ہوجاتے ہیں، اس وجہ سے ان کے تحریری آثار بھی باقی نہیں رہ پاتے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فالخوارج تميزوا بالامام والجماعة والدار وسموا دارهم دارالهجرة وجعلوا دارالمسلمين

یعنی وہ امت سے ان باتوں میں بھی جدا ہوتے ہیں کہ اپنے بڑے کو امام المسلمین یا خلیفۃ المسلمین کہتے اور امامت اور خلافت کے بارے میں وارد احادیث اُس پر فٹ کرتے ہیں، اگرچہ ان کا بڑا کسی صورت بھی ان احادیث کا مصداق نہیں ہوتا کہ **"الامام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به"۔**

اہلِ سنت کے نزدیک اس حدیث کی روشنی میں امام المسلمین وہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کے دس بنیادی حقوق ادا کرسکتا ہو۔ ان دس حقوق میں سے ایک رعیت کو امن کی فراہمی ہے۔ یعنی امام ایسا شخص ہو کہ اس کی طاقت اتنی ہو کہ ڈھال کی طرح رعیت کی حفاظت کرسکتا ہو، اور اس کی پناہ لی جاسکتی ہو، یعنی اس کی اتنی طاقت اور قدرت ہو کہ مسلمان اس کی پناہ لے سکتے ہوں۔

خوارج اپنے امیر کو امیر المؤمنین یا خلیفۃ المسلمین کہتے ہیں:

پوری اسلامی تاریخ میں جب بھی خوارج پیدا ہوئے تو انہوں نے ہمیشہ کسی ایسے شخص کو امیرالمؤمنین کا لقب دیاجو کہ امت میں متفرد اور غیر محبوب ہوتا، خود بھی مشکلات میں گھرا ہوتا اور اس کے ساتھی بھی، اور یہ تو انتہائی دور کی بات ہے کہ یہ نام نہاد امیرالمؤمنین کسی کے لیے ڈھال اور پناہ گاہ بنے، بلکہ کسی کے سامنے ظاہر ہونا بھی اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا، کسی تنگ جگہ میں اپنے تکفیری ساتھیوں کے ہمراہ چھپا رہتا ، جہاں مسلمانوں کے لیے ہجرت فرض سمجھتا، اور اسی غیر محفوظ جگہ کو جس پر شرعی تمکین کی تعریف بھی صادق نہیں آتی، کو**"دارالهجرة"** اور **"دارالاسلام والمسلمين"** سمجھتا ، اور اپنی اسی متفرد اور شاذ جماعت کو ، جس سے پوری امت بے زار ہو، **"جماعة"** کہتا ، اور شرعی **"جماعة"** کی احادیث اس پر چسپاں کرتا ۔ حالاں کہ **"جماعة المسلمين"** جسے دوسرے الفاظ میں **"الجماعة المسلمة"** یا **"الامة المسلمة"** بھی کہتے ہیں،میں اور **"جماعة من المسلمين"** میں فرق ہے۔ **"جماعة"** کی احادیث کا مصداق جمہور امت ہے، نہ کہ ایک متفرد فرقہ یا جماعت۔

موجودہ حالات میں طاغوت ایک بڑی قوت کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود ہے، سمندر میں دشمن کا قبضہ، فضا پر دشمن کا قبضہ، زمین پر بھی وہ ایسی قوت کے ساتھ موجود ہے کہ جب بھی کسی کے خلاف چاہے تو اس پر چھاپہ مار سکتا ہے، یعنی کسی کا امن بھی اس سے محفوظ نہیں ہے۔ جہادی قائدین انتہائی مشکل حالات میں نقل و حرکت کرتے ہیں، آسانی سے کہیں ظاہر بھی نہیں ہوسکتے، مسلمانوں کے بڑے اجتماعات میں تسلی کے ساتھ پُر امن طریقے سے نہیں جاسکتے۔ لہٰذا جب قیادتیں ایسی صورتِ حال سے دوچار ہوں اور زمینی حقائق ایسے ہوں، پھر بھی کوئی اپنے آپ کو پوری امت کا امام کہے اور پوری امت پر اپنی بیعت کو فرض اور واجب کہے تو یہ یقینا اہلِ سنت والجماعت کے تمام سَلَف و خَلَف کے اجماع کے خلاف ایک جاہلانہ نظریہ ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ولهذا قال ائمة السلف من صار له قدرة وسلطان يفعل بهما مقصود الامامة فهو من اولى الامر الذين امر الله بطاعتهم

"اسی وجہ سے سَلَف کے ائمہ کہتے ہیں کہ جس کو ایسی سلطنت اور قدرت مل جائے کہ جس کے ذریعے وہ ولایت کے مقاصد حاصل کرسکتا ہو (ولایت کے مقاصد سے مراد وہ دس بنیادی حقوق ہیں جو کہ اھلِ سنت والجماعت کی فقہ اور سیاستِ شرعیہ کی کتابوں میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں جس کی ہم اپنی اس تحریر میں بھی کچھ وضاحت کریں گے انشاء اللہ) تو وہ ان اولی الامر میں سے ہے جن کی اطاعت کا اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے۔"

فقط کسی ایسے جنگی میدان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھالینا کہ جس کی فضاء دشمن کے قبضے میں ہو، زمین پر جب چاہے اور جہاں چاہے آسکتا ہو ، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں جنگ بھی جاری ہو، کر و فر کی صورتِ حال ہو، کبھی دشمن کونقصان پہنچتا ہو تو کبھی مجاھدین کو ، ایسے میدانِ جنگ پر قبضے کو شرعی تمکین کہنا اور اس کی طرف ہجرت کو فرض سمجھنا، انتہائی حماقت اور دین اور دینی اصطلاحات کی احمقانہ تشریح ہے۔

پھر اگر کوئی منکوحہ عورت اس مخدوش اور پُر فتن علاقے میں چلی جائے یا اس کے بھائی یا والد اس کو لے جائیں تو اس کے خاوند کی موت، طلاق یا اس کے مرتد ہونے کے بغیر ہی کسی کے نکاح میں دیدینا، اس طور پر کہ وہ دارالاسلام میں آگئی ہے اور اس کا اپنے سابقہ شوہر سے جوکہ اس مذعومہ جنگ زندہ و پُرفتن دارالاسلام میں نہیں آیا، نکاح ٹوٹ گیا ہے، یہ ایک خود ساختہ شریعت اور قبیح منکر و بدعت ہے۔

ایسے بہت سے مسلمان مجاھدین مجھے معلوم ہیں جن کی منکوحہ بیویوں کا دوسرے لوگوں سے نکاح کرادیا گیا، اللہ تعالی فرماتے ہیں **"بيده عقدة النكاح"** (نکاح کا عقدہ شوہر کے ہاتھ میں ہے۔)، جو کہ نہ مرا ہے ، نہ اس نے طلاق دی ہے اور نہ ہی مرتد ہوا ہے،بلکہ مضبوط مسلمان، مجاھد اور مؤحد ہے۔ ایسے شخص کی منکوحہ کا کسی اور سے نکاح کرانا طرفین کو ہمیشہ کے لیے بدکاری میں مبتلا کرنا ، اللہ تعالی کی کتاب اور اسلامی شریعت کا مذاق اور ایک بڑی جرئت کا کام ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ شرعی خلیفہ اور امام کی مثال

دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهـذا مثل كـون الرجل راعيا للماشـية متى سـلمت اليــه يقــدر ان يرعاها كان راعيا لهـا والافلا

"امام اور خلیفہ کی مثال ایک چرواہے کی سی ہے اور رعیت کی مثال ریوڑ کی ، جب چرواہا بھیڑ بکریوں کو چرانے کی قدرت رکھے تو وہ چرواہا ہے ورنہ نہیں۔"

اسی طرح جب یہ امام اور خلیفہ امت کی حفاظت کی قدرت رکھے تو وہ امام ہے ورنہ نہیں۔ ایسا خلیفہ جو کہ اپنی جگہ کسی کو نہیں بتا سکتا،ان علاقوں میں جہاں وہ شرعی تمکین کا دعوی کرتا اور انہیں دارالسلام کہتا ہے، وہاں کچھ دن تسلی کے ساتھ نہیں رہ سکتا اور امت کی حفاظت نہیں کرسکتا تو یہ ساامام نہیں ہوسکتا۔

خوارج کے نزدیک کسی بھی شخص سے خلافت کی بیعت کرلی جائے تو وہ خلیفہ بن جاتا ہے:

البتہ خارجوں کے نزدیک ایک محدود و مخدوش ، جنگ زدہ علاقے میں کسی سے شرعی خلیفہ کے نام پر بیعت کرلی جائے تو وہ امت کا خلیفہ بن جاتا ہے، جیسا کہ "حروریٰ" کے مقام پر خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع ہوگئے اور انہوں نے ایسا ہی کیا ۔ تاریخ میں بھی خوارج کی جماعت ہمیشہ ایسا ہی کرتی آئی ہے۔

رسالت اور امامت میں فرق:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "**منهاج السنة النبوية**" (ص:۳۸ ج:۱) میں رسالت اور امامت کا فرق بیان کیا ہے کہ خلفاء کی اطاعت اہلِ شوکت پر موقوف ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اس پر موقوف نہیں ، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر حال میں فرض ہے، چاہے ان کے ساتھ ایک شخص بھی نہ ہو، چاہے تمام لوگ ان کی تکذیب کریں، جیسا کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض تھی، حالاں کہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ ایسے ساتھی اور مددگار بھی نہیں تھے کہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرتے۔ البتہ خلیفہ ایسا نہیں ہوتا، خلیفہ ایسی طاقت اور قدرت والے کو کہتے ہیں کہ جو رعیت کے حقوق ادا کرسکے اور اسے طاقت اہلِ شوکت اور قدرت کے ذریعے حاصل ہوئی ہو۔

موجودہ حالات اور ظروف میں کسی کو بھی خلافت کی قدرت اور طاقت حاصل نہیں، ہر کوئی چھاپہ مار یا معمولی درجے کی تعارضی جنگوں میں مصروف ہے، کسی کو بھی یہ قدرت حاصل نہیں کہ امت کو اپنی بیعتِ خلافت کے حقوق ادا کرے۔ خلافت نبوت کی طرح نہیں ہوتی کہ کوئی بھی اٹھے اور دعوی کردے کہ " خلافت آگئی ہے ،اب بیعت واجب ہوگئی ہے، ہر کسی کے جہاد کی شرعی حیثیت لغو ہوچکی ہے، جو بھی بیعت نہیں کرے گا وہ خلافت کا باغی ہوگا وغیرہ"، اس حال میں کہ اس مزعومہ خلیفہ کی کیفیت یہ ہو کہ غاروں میں روپوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو، اس کی زندگی بھی مشتبہ ہو، یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یہ مر چکا ہے۔

غرض یہ کہ خلافت رسالت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ خلافت مسلمانوں کی اس مضبوط حکومت کو کہتے ہیں جس کی قیادت کا انتخاب مسلمانوں کی ایسی مضبوط قوتوں کی جانب سے ہوا ہو کہ اس کے انتخاب اور بیعت کے بعد وہ امت کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہو۔ لیکن آج مجاهدین اور مسلمان انتہائی ضعف کی کیفیت میں ہیں۔ فی الحال خارجی و بیرونی قابضین اور ان کے غلاموں سے اسلامی سرزمین آزاد کرانے میں لگے ہوئے ہیں۔ طاغوتی دشمن اپنے تمام تر لاؤ لشکر کے ساتھ جنگ کے تمام علاقوں میں موجود ہے، مشرقی ترکستان سے مالی اور شمالی افریقہ تک اپنا وجود رکھتا ہے۔ کسی محاذ پر بھی ابھی تک بیرونی اور مقامی طاغوت کو مکمل شکست نہیں دی جاسکی، صرف افغانستان میں دشمن کی شکست کےابھی تک صرف آثار اور علامتیں ہی پائی جاتی ہیں۔

خوارج کی علامات:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کل خوارج کو پہچانا مشکل ہے۔اکثر لوگ خوارج کی پہچان نہیں کرسکتے، البتہ جب کوئی جماعت مسلمانوں کا خون بہانا مباح جانے تو وہی خوارج ہیں، وہ کہتے ہیں:

واما اليـوم فـلا يعرفهـم اكـثر الناس و مروقهـم مـن الديـن خروجهـم باسـتحلالهمدمـاءالمسـلمينواموالهـم

"ان (خوارج) کو اکثر لوگ نہیں جانتے، البتہ ان کا دین سے نکلنا (خروج و مروق) یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے جان و مال مباح سمجھتے ہیں۔"

یعنی خوارج کا تعارف اصلا ان کے کردار و اعمال سے ہوتا ہے۔ زبان سے تو وہ خود کو مضبوط سنی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو کسی کی کبیرہ گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے ، لیکن کردار کو دیکھنے سے فورا ان کی پہچان ہوجاتی ہے۔

قرونِ اولیٰ کے خوارج سب ایسے نہیں تھے کہ جو صرف کبیرہ گناہ کی وجہ سے کسی کی تکفیر کرتے تھے بلکہ بہت سے ان میں سے کبیرہ گناہ کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو خوارج آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھے تھے وہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کی تکفیر کبیرہ گناہ کی وجہ سے نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کی وجہ ایک جائز اور مشروع عمل "**مصالحة بين المسلمين**" کے لیے حَکَمین کو مقرر کرنا تھا ۔

لہٰذا خوارج کی اصل علامت یہ ہے کہ وہ کسی ایسی بات پر مسلمان کے جان و مال کو مباح اور اسے کافر سمجھتے ہیں جو کہ کفرنہیں ہوتا، بلکہ جائز ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ گناہ ہوتا ہے۔

شرعی احکام کی غلط تطبیق:

آپ کو خوارج میں کوئی بھی ایسا نہیں ملے گاجو اپنے آپ کو خارجی یا تکفیری کہے، بلکہ ہر کوئی اپنے آپ کو پکا سنی، اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کا پیروکار اور سَلَفی یعنی سَلَف کے منہج کا تابع دار کہتا ہے، کبھی کبھی ان کی تحریرات بھی اہلِ سنت کے

عقیدے کے مطابق ہوتی ہیں لیکن اس کی تطبیق غلط ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے جان و مال کو مباح قرار دیتے ہیں، جیسا کہ علامہ دکتور مظہر الویس حفظ اللہ لکھتے ہیں:

فالخوارج يتم الحكم عليهم من استقرار الاحوال وتتبع المواقف ولن تجد رجلا منهم يصرح لك انه خارجي بل قد تكون كتبه التي يكتبها كلها موافقة لعقيدة اهل السنة وعند التنزيل يكون الامر مختلفا

" خوارج کے عملی احوال کی کھوج کے ذریعے ہی ان پر حکم لگایا جا سکتا ہے، ورنہ کوئی بھی اپنے آپ کو خارجی نہیں کہتا، کبھی کبھی ان کی تحریرات بھی اہلِ سنت کے عقیدے اور منہج کے مطابق ہوتی ہے لیکن عملا ان کا کردار اور تطبیق اس سے مختلف ہوتی ہے۔"

دکتور مظہر الویس دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ونؤكد ان المشكلة ليست فى التاصيل، فالعمومات التى يستدل بها الخوارج قديما و حديثا هى عمومات صحيحة ولكنهم ينزلونها على غير واقعها، فالمشكلة فى التنزيل كما جاء عن السلف فى وصف الخوارج انهم ينزلون الآيات التى نزلت فى الكفار على المؤمنين ولذلك فمشكلتهم فى التاويل الفاسد

" ہم یہ بات پوری تاکید کے ساتھ کہتے ہیں کہ معاصر خوارج اور تکفیریوں سے ہماری مشکل ان اصل مراجع میں نہیں ہے کہ جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، معاصر اور سابقہ جتنے بھی خوارج ہیں ، وہ جن عمومات سے استدلال کرتے ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن یہ لوگ ان کی تطبیق غلط کرتے ہیں۔ ان سے ہماری اصل مشکل تطبیق اور تنزیل میں ہے۔ وہ ان عمومات کی تطبیق کسی ایسے شخص یا سیاست یا کام پر کرتے ہیں کہ جو اس کا مصداق نہیں ہوتا، جیسا کہ سَلَف سے بھی منقول ہے(جیسا کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا تھا) کہ جو آیات کفار کے بارے میں ہیں وہ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ لہٰذا ہماری ان سے اصل مشکل ان کے اس غلط فہم اور بے جا تاویل سے ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكان يقال لهم القراء لشدة اجتهادهم في التلاوة والعبادة، إلا أنهم كانوا يتأولون القرآن على غير المراد منه ويستبدون برأيهم ويتنطعون في الزهد والخشوع وغير ذلك

"زیادہ تلاوت اور عبادت کی وجہ سے انہیں قرآء کہاجاتا تھا (بعض روایات میں انہیں "نساک" بھی کہاگیا ہے جس کے معنی بہت عبادت گزار کے ہیں)، مگر ان کی گمراہی یہ تھی کہ قرآن کریم کی تفسیر غلط کرتے تھے، اپنی رائے پر مضبوط تھے اور زھد اور خشوع میں بہت زیادہ تکلف کرتے تھے۔"

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولكن بدعة الخوارج كما يقولون كان قصد اهلها متابعة النص والرسول لكن غلطوا فى فهم النصوص وكذبوا بما يخالف ظنهم من الحديث ومعانى الآيات

"خوارج کی بدعت جیسا کہ کہا جاتا ہے اس طور پر تھی کہ ان کا مقصد تو اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول کا اتباع تھا لیکن قرآن و حدیث کے نصوص کے فہم میں ان سے غلطی ہوتی تھی (یعنی وہ ان نصوص سے اپنا ایک خود ساختہ بدعی مطلب اور فہم حاصل کرتے تھے) اور قرآن کریم کی اُس تفسیر یا رسول اللہ کی اُس حدیث کی تکذیب کرتے جو کہ ان کی بدعی اور خود ساختہ فہم کے موافق نہ ہوتی۔"

آج بھی ایسی ہی صورتِ حال ہے، ظاہرا بہت عبادت گزار ہوگا، کفر سے برات کرے گا لیکن قرآن و حدیث کی نصوص کے فہم میں خطا ہوگیا ہوگا۔

خوارج اپنے نظریاتی مخالفین پر مختلف فتوے لگاتے ہیں:

خوارج ہر اس عالم اور شیخ کو عالم سوء، باطل پرست اور حکومت نواز عالم کہتے ہیں کہ جو ان کے افراطی، تکفیری اور قاتلانہ موقف سے متفق نہ ہو، ہر اس تفسیر کو رد کردیتے ہیں جو کہ ان کے تکفیری موقف کے مطابق نہ ہو اور جس سے ان کا بطلان واضح ہوتا ہو، ہر اس حدیث کے ضعف یا اس کی باطل تاویل کی کوشش کرتے ہیں جو ان کی فکر کے خلاف ہو۔

(جاری ہے---)

مولانا یوسف لودھیانوی

جمہوریت دورِ جدید کا وہ صنم اکبر ہے جس کی پرستش اول اول دانایانِ مغرب نے شروع کی، چوں کہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے، اس لیے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا۔یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کردی۔ کبھی یہ نعرہ بلند کیاگیا کہ" اسلام جمہوریت کا علم بردار ہے" اور کبھی اسلامی جمہوریت کی اصطلاح وضع کی گئی، حالاں کہ مغرب "جمہوریت" کے جس بت کا پجاری ہے اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے، اس لیے اسلام کے ساتھ "جمہوریت" کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحا غلط ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل)



حرفِ حقیقت

مکرم خراسانی

میرا جسم میری مرضی

پوری دنیا میں ۸ مارچ "یومِ حقوقِ نسواں" کے عنوان سے منایا جاتا ہے۔ یہ دن پاکستان میں بھی ایک عرصے سے منایا جا رہا ہے، مگر گذشتہ برس پاکستان میں اس دن کو منانے والوں نے عورت مارچ کے دوران متنازع پلے کارڈز اٹھا کر نئے انداز میں اپنی شناخت بنائی، اس "عورت آزادی مارچ" کو "ننگ مارچ" کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ یہاں شریک خواتین کے ہاتھوں میں جو پلے کارڈز اور بینرز آویزاں تھے، ان پر بے شرمی و بے حیائی پر مبنی ایسے نعرے درج کئے گئے تھے کہ جنہیں زباں بیان کرنے سے قاصر ہے۔ عورت آزادی مارچ کے نعروں سے مقاصد واضح ہوچکے ہیں کہ دراصل ان کا ایجنڈا پاکستان میں بے حیائی اور فحاشی کا کلچر عام کرنا ہے۔ گذشتہ برس بھی اس طرح کے بے ہودہ اور فرسودہ نعروں کا استعمال کیا گیا تھا، تاہم اس برس بات حد سے آگے نکل چکی ہے اور صورتحال یہاں تک آ پہنچی ہے کہ خواتین نے بھی اس خواتین مارچ کو مسترد کر دیا، اور اس وقت سوشل میڈیا پر خواتین کی بہت بڑی تعداد اس عورت آزادی مارچ یا ننگ مارچ پر شدید تنقیدیں کر رہی ہے، کیونکہ کوئی بھی باعزت اور غیرت مند عورت اس طرح کی توہین کو برداشت نہیں کرسکتی۔

"عورت مارچ" میں نہ صرف متنازع پلے کارڈ ہی نہیں اٹھائے گئے بلکہ اس میں اسلامی اقدار کی بھی نفی کی گئی۔ کراچی میں ہونےوالی مارچ میں شریک ایک بوڑھے شخص جس نے اپنا نام بھی کافی سوچ کر محمد مظاہر بتایا، کہہ رہے تھے کہ پاکستان سے نکاح ہی ختم کر دینا چاہیے، یہ نکاح ہی ہے جو عورت کو "قیدی" بنا دیتا ہے۔ یہ پہلے نہیں تھا بلکہ انگریز نے ۱۸۲۵ء میں ہم پر ایسے ہی مسلط کر دیا، جیسے اس نے ہم پر انگریزی مسلط کی تھی۔

تو حضور یہ کون سے نظریات پھیلائے جا رہے ہیں۔؟ ہم نبیٔ رحمت ﷺ کے ماننے والے ہیں۔ نکاح انگریز کا مسلط کردہ قانون نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ ہے۔ عورت مارچ کی انتظامیہ اس پر خاموش ہے کہ یہ نظریات کیسے ہیں، ان کے پیچھے کون ہے، کس لئے ایسا کیا جا رہا ہے، جبکہ زمینی حقائق یہ بتا رہے ہیں کہ مارچ کا اہتمام کرنےوالے پاکستان دشمن قوتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ یہ پاکستان کی اسلامی شناخت مٹانے کے درپے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے بے ہودہ اور غیر اسلامی و غیر اخلاقی پروگرامز میں شدت آتی جا رہی ہے۔ یہ کیسا لبرل ازم ہے کہ اسے بھی شدت پسندی کیساتھ نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جبکہ دوسری طرف اسلامی احکامات کا پرچار کرنے والوں کو پابندسلاسل اور شہید کیا جارہا ہے ۔

اسی "عورت مارچ" کے ایک نعرے "میرا جسم میری مرضی" کو خاصی شہرت ملی، اس نعرے کے پس پردہ حقائق یہ ہیں کہ عورت کو مکمل آزادی دے دی جائے، یہ اس کی اپنی مرضی ہے کہ وہ اپنا جسم کس کے سامنے پیش کرتی ہے، جبکہ اسلام نے عورت کو تقدس اور احترام دیا ہے۔ ان لبرلز نے تو عورت کو "شوپیں" بنا دیا ہے۔ اس سے تصویرِ کائنات میں رنگ بھر کر اس کی اپنی رنگینیاں لوٹنے کیلئے محافل میں سجا دیا ہے، جبکہ اسلام نے ایسے افعال کی مخالفت کی ہے۔ اسلام نے عورت کو بہن، بیوی اور ماں کا درجہ دے کر احترام سے مالا مال کر دیا ہے۔ لبرلز کی اس مارچ کے اثرات اب سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں۔ آئے روز مختلف قسم کے دل دہلادینے والے واقعات سب

کے سامنے ہیں جن کا ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں ۔

عورت مارچ میں لگائے جانے والے نعرے نجانے اور کتنے گھروں میں بدامنی کی آگ لگائیں گے، نہ جانے کتنی خواتین کو طلاقیں دلوا کر سڑکوں اور محفلوں کی "جان" بنائیں گے۔ اگر اس بے ہودگی کی لہر کے سامنے بند نہ باندھا گیا تو اس کے ثمرات اور نتائج انتہائی بھیانک نکلیں گے۔

آج پاکستانی معاشرہ اسلامی طرزِ حیات بھلا چکا ہے ۔ آج لبرل اگر حقوق نسواں کو لے کر ہمیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو قصور وار ہم خود ہیں ۔ اگر ہمارا معاشرہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ ہوتا تو عورت کا معاشرتی استحصال نہ ہوتا اور نہ ہی اس کی آڑ لے کر "میرا جسم، میری مرضی" جیسے مغربی نظریات جنم لیتے ۔ آپ کسی بھی لبرل سے بحث کرلیں، وہ اپنے مادر پدر آزاد نظریات کا دفاع کرنے کےلیے حقوق نسواں کی آڑ لے گا ۔ آخر حقوق نسواں کے لیے ان بے ہودہ الفاظ کا چناؤ کیوں کیا گیا؟ چادر اور چار دیواری کو بوجھ قرار دینے والی لبرل آنٹیاں " میرا جسم , میری مرضی " کے نعرے کے دفاع میں عورت کے معاشرتی استحصال کی طرف توجہ دلا کر حقوق نسواں کے تحفظ کے لیے بظاہر بہت فکر مند نظر آئیں گی مگر یہ انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے ۔ جب " میرا جسم , میری مرضی " کا اصولِ زندگی اپنے نقطۂ کمال پر پہنچے گا تو فحاشی، عریانی اور بے راہ روی کا ہر در آزادی سے کھل جائے گا، اور جب آپ اپنی بہن، بیٹی کو روکنا چاہیں گے تو جواب ملے گا " میرا جسم , میری مرضی " آپ ہوتے کون ہیں پوچھنے والے؟؟؟ لہٰذا اس سے پہلے کہ یہ نظریہ طرزِ زندگی کا حصہ بن جائے، اسے روکنا ہو گا ۔

سندھ اسمبلی کے ایک رکن کی جانب سے درخواست میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ ۸ مارچ کو کراچی کے فیریئر ہال میں عورت مارچ کے نام پر ایسی سرگرمیاں منعقد کی گئیں جس میں اسلامی شعائر، قرآن و سنت اور خاندانی نظام کی کھلے عام توہین کی گئی اور مذہبی اشتعال انگیزی کو فروغ دیا گیا۔

درخواست گزار کے مطابق عورت مارچ میں ایسے بینرز اور پلے کارڈز بھی شامل تھے جس میں اسلامی معاشرے میں بے حیائی و فحاشی پھیلانے اور خاندانی نظام کو متنازع بنانے کی کوشش کی گئی۔ اس درخواست گزار سے ہمارا ایک سوال ہے کہ کیا اس درخواست سے آپ کا ذمہ فارغ ہوگیا ؟ کیا اس کی روک تھام کےلئے یہ درخواست ہی کافی تھی؟ کیا صرف درخواست گزاری کیلئے آپ نے ووٹ لیا تھا ؟؟ قیامت کے دن کیا جواب دوگے رب ذوالجلال کو کہ سرعام اسلام کا تقدس پامال ہوتا رہا اور آپ صاحب اقتدار ہوکر بھی خاموش رہے؟

عورتوں کی اس بےہودہ مارچ پر اگر تنقید ہوئی ہے تو صرف کالم نگاری ،مضمون نگاری یا محض درخواست گزاری کی حد تک، کسی بھی صاحب اقتدار کی طرف سے اس پر تنقید نہیں کی گئی کیوں کہ یہ ملک میں مغربی کلچر لاگو کرنے کیلئے کیا گیا ہے، جو کہ موجودہ حکمرانوں کے ایجنڈوں کے عین مطابق ہے ، عورت مارچ کے اس نعرے "میرا جسم میری مرضی" کو فروغ دینے والوں، اس نظریے سے متفق لوگوں اور اس پر خاموش رہنے والوں کو یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ طالبان بھی اسی نعرے کو لے کر اٹھے ہیں، ان کو بھی تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے، ان کا بھی اپنا ہی جسم ہے، اور وہ اپنی ہی مرضی سے اس پر بارود باندھیں یا اسے بندوق کی گولیوں سے چھلنی کریں ،اس جسم کو وہ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر پہاڑوں میں روندیں، یا اس جسم کو سلاخوں کے پیچھے قید رکھیں۔ اگر ایک عورت کےلئے آپ اس نعرے کو پسند کرتے ہیں تو پھر ایک مرد کیلئے اپنے جسم کو اپنی مرضی سے استعمال کرنا کیوں دہشت گردی ہے؟؟ اگر کوئی کہتا ہے کہ طالبان اگر خود کو بارودی جیکٹ کے ذریعے اڑادیتے ہیں تو اس سے صرف ان کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ بہت سے لوگ بھی مارے جاتے ہیں، تو ان کیلئے عرض ہے کہ عورت کے جسم کا بے جا استعمال بھی صرف اس عورت کو ہی نہیں بلکہ اس سے منسلک جتنے بھی مرد حضرات ہیں ان کو بھی ماردیتا ہے۔ طالبان کے ہاتھوں مارا جانے والا دین دشمن ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مارنے کا حکم دیا ہے قیامت کے دن ان سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا، ان سے حساب کتاب ہوگا، مگر عورت کے اس بےہودہ نعرے کے مطابق مارا جانے والا تو دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا، دنیا میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، آئے روز کسی نہ کسی جگہ دل دہلادینے والے واقعات رونما ہوتے ہیں جو صرف اور صرف اسی نعرے کا شاخسانہ ہیں، روزانہ سوشل میڈیا پر ایسی خبریں سننے کو ملتی ہیں کہ سن کر پاؤں تلے زمین نکل جاتی ہے، مقدس رشتوں کا تقدس پامال ہوتا جارہا ہے، کوئی بھی رشتہ محفوظ نہ رہا، نہ باپ کی موجودگی میں بیٹیاں محفوظ رہ سکتی ہیں نا ہی بھائیوں کی موجودگی میں بہن کی عزت۔ کون سے رشتے کا تقدس کہاں پامال ہوا یہ سب آن ریکارڈ موجود ہے، یہاں لکھنے کی گنجائش نہیں۔

اس کالم کے لکھنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں خواتین کی عزت و عظمت اور آبرو سمیت ان کے بنیادی حقوق کے خلاف ہوں بلکہ پاکستان میں "عورت آزادی مارچ" کے نام پر یا "خواتین کے حقوق" کے نام پر جو کچھ "ننگ مارچ" یا بے حیائی کا کلچر عام کرنے کی مغربی کوشش کی جا رہی ہے، اس کا کسی نہ کسی طرح راستہ روکنے کی ضرورت ہے ، یقیناً عورت ذات معاشرے کا ایک اہم جزو ہے ، ایک بہت ہی نازک مسئولیت ان کے ذمے ہے، معاشرے کے اکثر افراد دینی مدارس اور عصری اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے فارغ ہوتے ہیں مگر بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی ادارے سے فارغ نہیں بلکہ ماں کی گود وہ مدرسہ ہے جس سے ہرخاص وعام بلکہ معاشرے کا ہر فرد فارغ ہوتا ہے۔ اب اگر ماں کی یہ گود نیک ہوگی تو اس کی گود میں پلنے والا بھی نیک ہی ہوگا، تو اس لحاظ سے ایک اچھے معاشرے کےلئے عورت کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اسلامی معاشرے میں فسادپھیلانا یعنی عورتوں کو آزادی کے نام پر گھر سے نکلوانااسلامی معاشرے کو کمزور کرکے اسلام کو مغلوب کرنے کی مذموم کوشش ہے ---

دارالعلوم دیوبند



مدارس کا کردار اور درپیش خطرات ومشکلات

شیخ عبد الرحمٰن

کسی بھی معاشرے کی بہتر تشکیل کے لیے تعلیمی ادارے (مدارس) کیا اہمیت رکھتے ہیں؟ اسی طرح ہمارے معاشرے میں مدارس کیا کردار ادا کر رہے ہیں اور انہیں کیا کردار ادا کرنا چاہئے؟ اور مدارس کو کیا کیا خطرات ومشکلات درپیش ہیں؟ یہ ایسے موضوعات ہیں جو تفصیل طلب ہیں، مگر میری کوشش ہوگی کہ انہیں مختصر اور آسان انداز میں قارئینِ کرام کے سامنے رکھوں۔

معزز قارئین! مفکرِ اسلام علامہ سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ مدارسِ اسلامیہ کی اہمیت کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

"دنیا کی کوئی قوم علم سے مستغنی ہو سکتی ہے کہ ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم پر کوئی فرض واجب نہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہم پڑھیں اور پڑھائیں، بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں، لیکن روئے زمیں پر قیامت تک مسلمان کہیں بھی آباد ہوں وہ چاہے مقامات مقدسہ ہوں، چاہے جزیرۃ العرب ہو، چاہے یورپ وامریکہ ہو، چاہے ہندوستان کی سر زمین ہو، شہر ہو یا قصبہ یا دیہات، جہاں بھی مسلمانوں کے چار گھر آباد ہوں، بلکہ جہاں چار مسلمان بھی پائے جاتے ہیں وہاں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ "اِقْرَأْ" (یعنی مدرسہ) کا سامان کریں۔ وہ اس کی تعمیل کریں کہ پڑھو، یہ کام شفاخانوں کے قیام سے زیادہ ضروری ہے اور آپ کی دکانوں سے زیادہ ضروری ہے، یہ کارخانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ کتنے ہی دنیا میں انقلابات آجائیں، سلطنتیں اور تہذیبیں بدل جائیں، انقلابِ عظیم برپا ہو جائیں، زبان بدل جائے، لیکن تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہے گا"۔

موجودہ دور میں مسلموں کو عقائد کے میدان میں جن چیلنجز کا سامنا ہے ان کا حقیقی دفاع سوائے اس کے کہ مدارسِ دینیہ کو ہر گاؤں، ہر بستی، اور ہر ہر محلے میں قائم کیا جائے، کوئی دوسری صورت مؤثر طور پر کارگر دکھائی نہیں دیتی۔ اگر ہم نے مدارس کا جال نہیں پھیلایا تو ہماری آئندہ نسلوں کا وہ حال ہوگا جو اندلس یا روس کے مسلمانوں کا ہوا، یا تو سرے سے مسلمان ہی نہیں رہیں گے یا مسلمان رہتے ہوئے بھی اسلام سے بیزار فقط نام کے مسلمان ہوں گے۔

مانتا ہوں کہ میڈیا کو صحیح طور پر بروئے کار لا کر ان چیلنجز کا مقابلہ کسی حد تک کیا جا سکتا ہے، تبلیغی وخانقاہی سلسلوں کو پھیلا کر بھی ایک حد تک مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے، خطباء حضرات بھی منبرِ رسولﷺ سے لوگوں کو عقائد کا درس دے سکتے ہیں، لیکن خود مذکورہ شعبہ جات کے لیے جن حضرات کی ضرورت ہے وہ بھی مدارس کے بغیر تیار نہیں کیے جا سکتے۔ دوسری بات یہ کہ ان شعبہ جات کا تعلق بالغ افراد سے ہے اور وہ بھی چند فیصد افراد تک محدود ہے، ہمارے وہ نونہال جنہیں شکار کرنے کے لیے کفار نے ہزاروں جال بچھا رکھے ہیں، (حالانکہ یہ ہمارا سرمایہ ہیں) ہمارے وہ نوجوان جنہیں بے راہ رَوی کا دِلدادہ بنانے کے لیے غیروں نے دِن رات ایک کر دیئے ہیں، (حالانکہ نوجوان ہماری قوت ہیں) وہ بڑی عمر کے لوگ جو نہ تو مساجد وخانقاہ کا رُخ کرتے ہیں اور نہ ہی دینی پروگرامات (جلسوں، سیمیناروں، کانفرنسوں) میں شرکت کرتے ہیں، ان کا کیا کیا جائے؟ اور ان کی اولاد کا کیا کیا جائے؟ ان کے ایمان کو کس طرح محفوظ کیا جائے؟ انہیں اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے کس طرح آمادہ کیا جائے؟ انہیں ابدی زندگی سنوارنے کے واسطے کیسے تیار کیا جائے؟

اسی طرح ہمارے وہ بچے اور نوجوان جو اسکول وکالج تو جاتے ہیں مگر ان کی دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تو حکومتی نصاب میں ہے اور نہ ہی پرائیویٹ اسکول وکالج کے نصاب میں ، انہیں کس طرح الٰہی احکامات سے روشناس کرایا جائے؟

اسی طرح ہماری وہ بہنیں اور مائیں جو ہمہ وقت گھر میں ہوتی ہیں ان کے ایمان کی حفاظت کا انتظام کیسے کیا جائے؟ ان کی اخلاقی تربیت کیسے کی جائے؟ ان کو بنیادی اسلامی احکام کے بارے میں کیسے آگاہی دی جائے؟

مجھے تو ان تمام سوالات کا جواب سوائے اس کے کہ مدارس کا خوب جال بچھایا جائے اور کوئی نظر نہیں آتا، کیونکہ ----- مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں مردم گری اور مردم سازی ہوتی ہے، ----- جس میں قلب ودماغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے، ----- جس میں دین کے سپاہی اور اسلام کے داعی تیار کیے جاتے ہیں، ----- مدرسہ مسلمانوں کے لیے اُس بجلی گھر کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے مسلم آبادی کو دین کی بجلی ملتی ہے، ----- مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری انسانی زندگی کی نگرانی ہوتی ہے، ----- جہاں کا فتویٰ تمام مسلمانوں کے لیے حکم کی حیثیت رکھتا ہے،----- مدرسے کا تعلق (بواسطۂ نبیﷺ) الٰہی علوم سے ہے، جو ہر وقت زندہ وجاوید ہے ----- مدرسے کا تعلق انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، مدرسہ کا تعلق اللہ کی حاکمیت سے ہے، جو ہر دو جہاں میں قائم ہے، ------مدرسہ وہ مقدس مقام ہے جس میں الٰہی قانون سیکھ کر اللہ تعالی کی پکڑ سے حفاظت ممکن ہے ----- مدرسہ وہ مکان ہے جس میں ایمان کو محفوظ بنایا جا سکتا ہے ----- مدرسہ دورِ حاضر کے فتنوں کے متعلق آگاہی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ----- مدرسہ وہ شجرۂ طیبہ ہے جس کی جڑیں انتہائی مضبوط اور شاخیں آسمان کے ساتھ باتیں کرتی ہیں ----- مدرسہ وہ بہترین ذریعہ ہے جس سے نسلًا بعد نسل اُمت تک دین پہنچتا ہے اور دینی کام آگے بڑھتا رہتاً ہے-----

جب مسلمان مدارس عام کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ ایک بار پھر دنیائے عالم پر اسلام کا بول بالا ہو جائے، الٰہی حاکمیت چارسو پھیل جائے، نظامِ خلافت قائم ہو کر مسلمانوں کی عزتِ رفتہ کی بحالی ممکن ہو جائے۔

مدارس استعماری قوتوں کے لیے خطرہ ہیں:

یہی وجہ ہے کہ آج استعماری قوتوں کو اگر کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میدانِ عمل میں مصروف مجاہدین کے بعد اُن مدارس سے ہوتا ہے کہ جو جدید تعلیمی نصاب ونظام سے دور اسلام کا اصل مفہوم طلباء کو ذہن نشین کرانے میں اپنی مدد آپ کے تحت چل رہے ہیں، جن کا مقصد فرزندانِ اسلام کو صرف اور صرف عالمِ دین بنانا ہے، جن کی دوڑ دھوپ اس خاطر ہے کہ طلبہ کرام کو اپنے خالق کے ساتھ جوڑ کر الٰہی احکامات سمجھنے کا اہل بنایا جائے، جن کا مشن یہ ہے کہ اہلیانِ اسلام کو دینی علوم کی سپلائی ایسے انداز میں کی جائے کہ لوگ حقیقی اسلام سے واقف ہو کر ماڈرن اسلام کے چکر میں نہ پھنسیں۔

آج کل سیکولر لابی اور حکمران طبقہ مسلسل ان مدارسِ دینیہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے، انہیں ختم کرنے یا کم ازکم انہیں اپنے زیرِ اثر لانے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہے،مختلف حیلے بہانوں سے ان مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے کی کوششیں جاری ہیں، کبھی لالچ تو کبھی دھمکی کو کام میں لا کر مدارس کو دبانے اور انہیں اپنی اصل روح سے ہٹانے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہے۔

گرامی قدر قارئین! اگر اپنی موجودہ وآئندہ نسلوں کو فتنوں سے بچانا مقصود ہو تو قریہ قریہ، بستی بستی اور ہر گلی کوچے میں مدارس کا اہتمام کریں، اربابِ مدارس کے احترام کے ساتھ ساتھ مدارس کے اخراجات ومشکلات میں ان کے معاون بنیں، ان کی حوصلہ افزائی کریں، جو لوگ مدارس کے مخالف ہیں انہیں سمجھائیں کہ اگر تمہیں اسلام کو اپنی اصل شکل میں دیکھنا ہے تو مدارس کی قدر کریں، کیونکہ ڈیموکریٹ اسلام کو مسلمانوں کے مابین متعارف کرانے کی جو پُرزور محنت وکوشش پوری یہودی لابی کر رہی ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہی لگتا ہے کہ ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مدارس ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی سطح پر واحد اسلامی حکومت (طالبان

حکومت) کا خاتمہ کرنے کے بعد بھی جب امریکا اور اس کے اتحادیوں کو اسلام کی شکل بگاڑنے اور دہشت گردی (یعنی جہاد نعوذ باللہ) کو کنڑول کرنے میں کامیابی نہ ملی تو اُس وقت برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے ایک کانفرنس میں کہا کہ ہمیں اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے مدارس کو ختم کرنا ہوگا، اس کے الفاظ ماہنامہ "الحق "نے (ٹائم اخبار کے حوالے سے) کچھ یوں ذکر کیے ہیں:

"آج جو کچھ دنیا میں ہورہا ہے اس کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں: ایک یہ کہ یہ دہشت گردی کوئی نئی نرالی چیز نہیں ، یہ ہوتی ہی آئی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ ان لوگوں کو چھیڑا جائے،یہ خود ہی ختم ہوجائیں گے۔ دوسرا نقطہ نظر (جوخود بلیرصاحب کا ہے) یہ ہے کہ ایک بالکل نرالا ظہور ہے۔ یہ عالمگیر نوعیت کی دہشت گردی ایک سچے ، پرامن اور قابل عزت دین' اسلام ' کی تحریف پر مبنی ہے۔ اور اس کی جڑیں ہیں پاکستان کے مدارس میں ، سعودی وہابیت کی ا نتہا پسندانہ شکل میں اور القاعدہ کے سابق افغانی ٹریننگ کیمپوں میں ۔ اس نقطہ نظر کو قبول کیا جاتا ہے تو پھر واحد راہِ عمل یہ رہ جاتی ہے کہ اس دہشت گردی سے ٹکرایا جائے،اس کی جڑوں اور شاخوں سب کا صفایا کیا جائے اور کسی بھی قیمت پر یہ نوبت نہ آنے دی جائے کہ اس کے ہاتھ میں وسیع پیمانے پر ماردھاڑ کے ہتھیار آجائیں"۔

معزز قارئین! یہ صرف مسٹر بلیئر کی سوچ نہیں، بلکہ پورے عالم کفر کی یہی کوشش ہے کہ (پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور بنگلہ دیش میں قائم، خود مختار) دینی مدارس کی بنیادوں کو ڈھایا جائے۔

ممکنہ طور پر اس کی کئی صورتیں تھیں، ایک صورت تو یہ تھی کہ انہیں فوجی ایکشن کے ذریعے ختم کیا جائے، لیکن اس میں مسلم بیداری سمیت بہت زیادہ خطرات تھے، اس لیے آسان طریقے کو اپناتے ہوئے مسلمانوں پر مسلط طاغوتی ٹولے کو یہ مشن سونپا گیا کہ ان دینی مدارس کے نصاب کو جدید تقاضوں (ڈیموکریٹک اسلام) کے مطابق بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسلام کے سب سے مضبوط قلعہ جات (دینی مدارس) کو نظریاتی لحاظ سے نیست ونابود کردیا جائے۔

چنانچہ پاکستان کے حکمرانوں،خفیہ اداروں اور ناپاک فوج نے پوری طاقت صَرف کی کہ کسی طرح دینی مدارس کو ملیامیٹ کردیا جائے، چنانچہ مشرف دورِ حکومت میں سانحہ لال مسجد وجامعہ حفصہ اور باجوڑ "ڈمہ ڈولہ" میں مدرسہ پر بمباری اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں، مگر جب انہیں اس میں کامیابی نہ ملی تو عوام کی نگاہوں میں مدارس کو بدنام کرنے کی مسلسل کوششیں شروع کردیں، دہشت گردی کے نام پر مدارس پر چھاپے مارے ، اسی دور میں حکومتی سرپرستی میں علمائے کرام کو شہید کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، چنانچہ مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا یوسف لدھیانوی، مفتی جمیل صاحب رحمھم اللہ جیسے سینکڑوں مشاہیر علماء کو شہید کیا گیا، بعض مدارس کے طلباء کرام پر قاتلانہ حملے کروائے گئے، سینکڑوں طلبہ واساتذہ کو گرفتار کیا گیا، انہیں ہراساں کیا گیا، اُس وقت کے حکمرانوں کی طرف سے غیر ملکی طلباء (جودینی علوم کے لئے کئی دَہائیوں سے پاکستان کے دینی مدارس سے استفادے کے لئے دنیا بھر سے آتے رہے ہیں) کے اخراج کا فیصلہ کرنا بھی سونپے ہوئے مِشن کا حصہ تھا، الغرض! مختلف الزامات کے ذریعے مدارس کو بدنام کرنے اور ان کی کارکردگی خراب کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نیو ورلڈ آرڈر کے بانیوں نے سب سے خطرناک حربہ یہ اپنایا کہ اپنی سرپرستی میں اپنے مقامی ایجنٹوں کا رُخ مدارس کی طرف کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ برطانوی وزیر خارجہ (جیک اسٹرا) سمیت متعدد غیر ملکی سفراء اور پاکستانی حکمرانوں نے متعدد مدارس کے دورے کیے، اربابِ مدارس کی تالیفِ قلب کے لیے بعض مدارس کے ساتھ مالی معاونت کی، بعض کے تعلیمی وانتظامی معاملات کو سراہا، بعض کو عالمی برادری کے ساتھ چلنے پر داد دی، اور حال ہی میں ناپاک فوج کے سربراہ جاوید قمر باجوہ نے (جی ایچ کیو میں) دینی مدارس کے طلباء کو عصری تعلیم میں پوزیشن حاصل کرنے پر انعامات سے نوازا، اور ساتھ میں اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کے طلباء جدید علوم میں قدم رکھ کر ملک کی ترقی میں کالج ویونیورسٹیوں کے سٹوڈنٹس کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر فوج، پولیس اور دیگر اداروں میں کلیدی عہدوں پر فائز ہو جائیں۔

یہ اور ان جیسے تمام تر ہتھکنڈوں کا مقصد اولًا یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ اپنی اولادوں کو مدارس میں تعلیم کے لیے نہ بھیجیں، اور اگر اس میں انہیں کامیابی نہ ملے تو ثانیاً مقصد یہ ہے کہ مدارس کے نظم اور نصاب میں ایسی تبدیلیاں لائی جائیں کہ جن کے بعد مدارس کو کنڑول کرنا آسان ہو جائے، اور انہیں قومی دھارے میں شامل کرنے میں علماءو طلباء اور عوام کی طرف سے زیادہ مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ جمہوری دور میں مدارس کو سب سے بڑا خطرہ اس بات سے ہے کہ پاکستانی خفیہ اداروں کے اشاروں پر مدارسِ دینیہ کا نصاب بدل کر ایسا مقرر کیا جائے کہ جس کے پڑھنے سے ایک طالب علم ایک جید عالم دین بننے کی بجائے "آدھا تیتر اور آدھا بٹیر" کا مصداق بن کر نہ پورا عالم بنے اور نہ پورا ڈاکٹر، بلکہ "نیم حکیم خطرۂ جان"اور "نیم مُلا خطرۂ ایمان" اُس پر صادق آئے ۔ (خدا نہ کرے) اگر ایسا ہوا تو پاکستان کے طول عرض میں انفرادی واجتماعی طور پر جو دینی و علمی تبدیلی اور مذہبی وسیاسی بیداری کے آثار نمایا ہو چکے ہیں ہمیشہ کے لیے اس کا راستہ بند ہو جائے گا۔

کسی بھی مشن کی تکمیل کے لیے نصابِ تعلیم اور تعلیمی سسٹم کی تبدیلی وہ بنیادی اِکائی ہے جس پر حسبِ منشا مقاصد کی تکمیل بآسانی ہو سکتی ہے، انگریز نے (برصغیر سمیت) جہاں بھی اپنا تسلط قائم کیا تو وہاں سابقہ تعلیمی سسٹم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ایسا نصابِ تعلیم مقرر کیا جس سے انہوں نے بڑی سہولت کے ساتھ وہاں کے عوام کی سیاسی ذہنیت کی تبدیلی کو نہ صرف یہ کہ ممکن بنایا بلکہ بہت سوں کو اسلامی تعلیمات سے کورا بنانے کے ساتھ ساتھ

ملحدانہ عقائد کا ایسا خوگر بنایا کہ اسلام کے حقیقی عقائد اُن کو یقینی غلط نظر آنے لگے، اور انہی کے تعلیمی سسٹم ونصاب کی بدولت آج معاملہ اس حد تک جا چکا ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ حقیقی اسلام کا نعرہ لگانے والوں کو معاشرے کے لیے ناسور سمجھتے ہوئے صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہے، انہیں ایسے ایسے خطابات دیتا ہے کہ جس سے وہ معاشرے میں بدنام ہوکر عوامی حمایت کھو بیٹھیں۔

معزز قارئین! چونکہ مدارس کا تعلق "علم" کے ساتھ ہے، اورعلم چاہے تکوینیات سے متعلق ہو یا شرعیّات سے، انسانیت کے عروج وزوال کا تعلق اسی سے ہے، جو قومیں علم میں عروج کو پہنچتی ہیں وہ لازماً لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتی ہیں، ان کا سکہ کُل عالَم میں رواں ہوتا ہے، ان کی قسمت کا ستارہ ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مدرسہ انسانیت کو ترقی کی جانب لیجانے والا بنیادی نقطہ ہے، مدرسہ انسانیت کو ذلت وپستی سے نکالنے کا وہ واحد بے مثال ذریعہ ہے جس کی تاثیر مسلّم ہے، لیکن اس کے بر عکس جن اقوام نے علم سے رُوگردانی اختیار کی تو انہیں سوائے غلامی وذلت کے کچھ ہاتھ نہ آیا، وہ اقوام غیر کی خادم تو بن گئیں مخدوم نہیں، محکوم تو بن گئیں حاکم نہیں۔

معزز قارئین! مدارس کی خدمات بے شمار ہیں، البتہ قرآن وسنت کی خدمت میں جو کردار مدارس نے ادا کیا ہے وہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے ، پاکستان سمیت دنیا بھر میں قرآن وحدیث اور ان کے معاون علوم کی جو خدمت مدارسِ اسلامیہ نے انجام دی ہے وہ قابلِ رشک وستائش ہے، اس لیے یہ بات مبالغے سے بالکل خالی ہے کہ دنیا بھر میں علومِ قرآن وحدیث کو جو فروغ حاصل ہے وہ مدارس اسلامیہ کے وجود کے بغیر ناممکن تھا ۔

پاکستان کا استحکام مدارس سے ہے:

صرف قرآن وسنت کی روشنی ہی نہیں، بلکہ پاکستان کے ناقص تعلیمی نظام کی وجہ سے دیہات اور دور دراز علاقوں میں جو بچے حقِ تعلیم سے محروم تھے، انہیں مدارس دینیہ ہی نے اپنا مشفقانہ کردار ادا کرتے ہوئے مفت تعلیمی سسٹم کی بدولت جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی سے منور کیا، انہیں بہترین اسلامی تہذیب سے آراستہ کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہر مذہبی جماعت و ادارے میں غریب عوام کے وہ ہونہار فرزندان محوِ خدمت ہیں جو اِنہی مدارس دینیہ کے تیار کردہ ہیں۔

پاکستان میں موجود غربت و افلاس ، کمزور اقوام کی حق تلفی اور ان جیسے دیگر عوامل کے ساتھ اگر ہزاروں کی تعداد میں دینی مدارس نہ ہوتے تو عین ممکن ہے کہ پاکستانی معاشرہ ایک ایسے بگاڑ کا شکار ہو جاتا کہ اس کا سدھارنا ناممکن ہوتا، مگر (الحمد للہ) دینی مدارس نے اپنا روشن کردار ادا کرتے ہوئے معاشرے کے ہر شعبہ کو ایسے مُصلحین عطا کیے جنہوں نے دِن رات ایک کرکے اپنے اپنے میدانِ عمل میں ناقابلِ فراموش کارنامے سرانجام دیئے، اگر صرف ائمہ مساجد کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہے کہ جن علاقوں میں مساجد کے ائمہ دینی مدارس کے تربیت یافتہ فارغ التحصیل علماء ہیں ان علاقوں کے مکینوں کی اخلاقی وتعلیمی آگاہی کی کیفیت بہت بہتر ہوتی ہے، وہاں جرائم کا تناسب بہت کم ہوتا ہے۔بالمقابل اگر ان علاقوں کا جائزہ لیا جائے جن کی مساجد میں یا تو سرے سے ائمہ ہی نہیں، یا ائمہ تو ہیں مگر وہ دینی مدارس کے پڑھے ہوئے نہیں، تو ایسے علاقوں کی صورت حال یقیناً ابتر ہوگی۔ وہاں چوری، ڈکیتی سمیت دیگر جرائم کے اڈے ہوں گے، تعلیمی ماحول ناپید ہوگا، باہمی اختلافات زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ حدودِ اختلاف کا فقدان ہوگا، چنانچہ وہاں معمولی معمولی باتوں پر قتل وغارت تک بات پہنچتی نظر آئے گی، عدمِ برداشت اور حق تلفی عروج پر ہوگی۔

معزز قارئین! اگر پاکستان کے شہروں اور گاؤں میں دینی مدارس نہ ہوتے تو آج اہلیانِ پاکستان کی اکثریت گمراہ کُن فتنوں کے دلدل میں ایسے پھنسے ہوتے کہ ان کا نکالنا انتہائی مشکل ہوتا، کیونکہ پاکستان میں آئے دن جو فتنے پروان چڑھتے ہیں اور ان کی سرکاری سطح پر جو پُشت پناہی ہوتی ہے اسے دیکھتےہوئے اس سے کسی کا بھی بچنا مشکل نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شہیدِ اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ پاکستان کی حالتِ زار پر بہت افسردہ تھے، چناں چہ اپنی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" جلد: ۹ میں لکھتے ہیں:

"مسلمانانِ ہندوستان کی دلی خواہش اور چاہت تھی کہ ایک ایسی آزاد ریاست اور ملک میسر آجائے جہاں مسلمان آزادی سے قرآن و سنت کا آئین نافذ کرسکیں اور انہیں دین اور دینی شعائر کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، چونکہ مسلمانوں کا جذبہ نیک تھا، اس لئے اس میں جوان، بوڑھے، عوام و خواص اور عالم و جاہل سب برابر کے متحرک وفعال تھے۔ بالآخر لاکھوں جانوں اور عزتوں کی قربانی کے بعد ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ قیامِ پاکستان کا مقصد اسلامی نظامِ حکومت یعنی حکومتِ الٰہیہ کا قیام باور کرایا گیا تھا، جس کا عنوان تھا: "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!" اور یہ ایسا نعرہ تھا جس کے زیر اثر تمام مسلمان مرمٹنے کے لئے تیار تھے، حتیٰ کہ وہ مسلمان جن کے علاقے تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کی حدود میں آتے تھے وہ بھی اس کے قیام میں پیش پیش تھے، لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی!" کے مصداق، آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بھی پاکستانی مسلمانوں کو اسلامی نظامِ حکومت نصیب نہیں ہوا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ!

اُلٹا پاکستان روز بروز مسائلستان بنتا چلا گیا، اس میں مذہبی، سیاسی، روحانی غرض ہر طرح کے فتنے پیدا ہوتے چلے گئے۔"

معزز قارئین! یہ بات تو یقینی ہے کہ ان تمام فتنوں کو اسلام دشمن عناصر (موساد، سی آئی اے وغیرہ) کی پشت پناہی حاصل ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان فتنوں کے پسِ پُشت پاکستانی حکومتی اہلکار اور خفیہ

ادارے بھی فعال ہیں، کیونکہ جب ان فتنوں کو ختم کرنے کے واسطے عوام غیرتِ ایمانی سے لبریز ہو کر احتجاجوں کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فتنہ بازوں کو تختہ دار پر لٹکانے کا مطالبہ کرتے ہیں، تو ان فتنہ پرداز تنظیموں کو بچانے کے لیے پاکستانی حکمران اور خفیہ ادارے سامنے آتے اور مختلف حیلوں بہانوں سے عوام کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، عوام کو مطمئن کرنے اور احتجاج کا سلسلہ ختم کرنے کی غرض سے وقتی طور پر بعض کو جیل تو بھیج دیتے ہیں، لیکن درحقیقت جیل بھیجنے سے بھی ان کی جان بچانا ہی مقصود ہوتا ہے، فتنے کو ختم کرنا نہیں۔

بہر حال پاکستان سمیت دنیا بھر میں جو نئے نئے فتنے سر اُٹھاتے ہیں، ان کے مقابلے میں دینی مدارس سدِّ سکندری کا کردار ادا کر سکتے ہیں، ان فتنوں کو مزید پھیلنے سے روک سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے خلاف جاری پروپیگنڈوں سے متاثر ہوئے بغیر ہر پاکستانی اپنی اولاد میں سے کم از کم ایک باصلاحیت بچے کو کسی معیاری دینی درس میں داخلہ دلوا کر اس کی مسلسل سرپرستی ونگرانی کرے،، اور ساتھ میں اربابِ مدارس یہ کوشش کریں کہ اپنے نظامِ تعلیم کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ اپنا کردار ایسا بنائیں کہ عوام خود مدارس کی طرف راغب ہو جائیں، جو سازشیں مدارس کے خلاف ہو رہی ہیں ان کے بارے میں عوام کو آگاہی فراہم کریں، مدارس کے منتظم و مھتمم حضرات آپس کی رنجشوں میں پڑھنے کی بجائے حکومت کے مقابلے میں یک جان ہو کر واضح موقف اختیار کریں۔

قارئینِ کرام! ہر دور میں (خصوصاً نواز شریف کے دوسرے دورِ اقتدار کے بعد) اربابِ اقتدار کے ہاتھوں مدارسِ اسلامیہ کو مختلف بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر (بفضل اللہ تعالی) مدارس نہ صرف یہ کہ ان پیدا کردہ بحرانوں اور سازشوں سے بخیروعافیت نکلے ، بلکہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے اپنے سفر کو جاری بھی رکھا ، کبھی آہستہ اور کبھی تیز۔

جیسا کہ گزشتہ مضمون میں گزرا کہ عالمی سطح پر مسلمانوں میں جوخوابِ غفلت سے بیداری کی لہر اُٹھی، اس کے پسِ پشت بنیادی طور پر دینی مدارس کا کردار انتہائی اہم ہے۔ اسی وجہ سے اسلام سے خطرہ محسوس کرنے اور نیو ورلڈ آرڈر لانے والوں نے لازمی سمجھا کہ اسلامی مدارس کو بدنام کیا جائے، لوگوں کی عقیدت واحترام پر کاری ضرب لگائی جائے، چنانچہ انہوں نے مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کی، کبھی کہا کہ مدارس میں فرقہ واریت کا درس دیا جاتا ہے، تو کبھی کہا کہ مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے، کبھی کہا کہ مدارس میں پڑھنے والے دقیانوسی خیالات رکھتے ہیں، جدید دور کے تقاضوں سے نابلد ہیں، عصری ٹیکنالوجی سے بے بہرہ ہیں، بنیادی عصری تعلیم سے کورے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

قارئینِ کرام! یہ اور اس جیسے دیگر منفی پروپیگنڈے اس لیے شروع کیے جاتے ہیں کہ عوام الناس مدارسِ اِسلامیہ اور علمائے کرام سے اِتنے بد ظن ہوجائیں اور مدارس سے اِتنے دُور ہو جائیں کہ ان کے ساتھ تعاون بھی چھوڑ کر بے دین ہوجائیں اور بدنامی کے خوف سے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دِلانا بھی چھوڑ دیں۔

اگر بات کریں مذہبی فرقہ واریت کی، تو پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے مذہبی فرقہ واریت کے پیچھے پاکستانی خفیہ ایجنسیوں سمیت عالمِ کفر کی ایجنسیز کا بھی ہاتھ ہے، ان بدنامِ زمانہ ایجنسیوں نے ہر طبقے میں اپنے ایجنٹس داخل کئے ہوئے ہیں، وہ موقع بموقع کبھی شیعہ سُنی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں، تو کبھی دیوبندی بریلوی مسالک کے درمیان چھیڑ چھاڑ کروا کر اپنے مذموم مقاصد تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو تو چھوڑیئے! کیونکہ ان کا باہمی اختلاف عقائد میں ہے، پاکستانی ایجنسیوں کے بعض ایجنٹس تو فقہی فروعی اختلافات کو ایمان وکفر کی حیثیت دے کر لوگوں کو گرمانے اور آپس میں لڑانے کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے ہیں، عوام ایجنسیوں کے ایسے آلہٗ کاروں سے واقفیت حاصل کرکے ہوشیار رہیں، باہمی جنگ وجدال سے اپنے آپ کو بچائیں ۔

دوسری بات یہ سمجھنا ضروری ہے کہ فرقہ واریت کسے کہتے ہیں؟ آیا حقیقتاً مدارس کا کردار ایسا ہے جس کی وجہ سے وطنِ عزیز میں فرقہ واریت کو فروغ مل رہا ہے؟ کیونکہ بعض اوقات ناسمجھ لوگ اس کو بھی فرقہ واریت سمجھتے ہیں کہ کسی گمراہ کُن عقیدے پر عام انداز سے عوام الناس کو سمجھایا جائے، اپنے مسلک کو مدلل انداز میں لوگوں کے سامنے رکھا جائے، لوگوں کو اپنے مسلک پر جمنے (تصلب فی الدین)کی ترغیب دی جائے، اپنے محلے کے پُرامن ماحول کو بچانے کی غرض سے کوئی مرکزِ شرک نہ کھلنے دیا جائے، موجودہ فتنوں (غامدی، زید حامد،وغیرہ) کے خلاف علمی و عملی جد وجہد کی جائے ۔

میرے بھائیو! مذکورہ بالا کام مدارس اور علماء کی ذمہ داریوں میں داخل ہیں، اُن پر عوام کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں کج رَوی سے روکیں، انہیں گمراہ ہونے سے بچائیں، انہیں سیدھی راہ پر لائیں، اسلام دشمن عناصر کے ہاتھوں ایمانی لوٹ مار سے بچائیں، اس لیے گزارش کی جاتی ہے کہ ان کاموں کو فرقہ واریت نہ سمجھا جائے، اور مدارس وعلماء پر فرقہ واریت کا الزام لگا کر معاشرے میں انہیں غیر موثر بنانے کی کوششوں سے گریز کیا جائے، ورنہ یہ اسلام دشمنی تصور ہوگی، ایسا پروپیگنڈا کرنے والے لوگ مسلمانوں کے یہاں غیروں کے ایجنٹ تصور ہوں گے، اور عین ممکن ہے کہ ایسے لوگ اپنے مشن کی تکمیل سے پہلے ہی اپنی جان گنوا دیں۔

اگر بالفرض! ہم مان لیں کہ مدارس میں فرقہ واریت کی تعلیم دی جاتی ہے تو ایک مذہبی فرقہ واریت ہی ہے جو اِن کو نظر آتی ہے، جس کی مذمت کے ساتھ ساتھ اسے ختم کرنے کے پروگرام بھی بنائے جاتے ہیں، تمام برائیاں انہیں اِسی کے اِرد گرد گھومتی نظر آتی ہیں، انہیں سیاسی فرقہ واریت نظر نہیں آتی کہ جس نے پاکستان کے عوام کو بانٹ کر سینکڑوں جماعتوں میں تقسیم کرکے ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا ہے، ہر محلے میں بلکہ ہر گھر میں سیاسی فرقہ واریت کی وجہ سے نفرتیں دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہیں، آئے دن کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان

تنظیموں کے کارکنان آپس میں مشت وگریباں نظر آتے ہیں، پاکستان میں سیاسی جھگڑے زوروں پر ہیں، سیاسی فرقہ واریت کی بنا پر اہلیانِ پاکستان کی معاشی صورتِ حال ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ سیاسی جلسوں، جلوسوں، دھرنوں اور ہڑتالوں نے عوام کی ناک میں دم کرکے رکھ دیا ہے، اور اگر کوئی سیاسی لیڈر سیاسی فرقہ واریت کا نشانہ بن کر قتل ہوجائے تو پھر تو اس پارٹی کے کارکنان کے لیے عوام کی جان ومال لینا بھی مباح ہو جاتا ہے، حکومت کی طرف سے اس پر ایکشن لینا تو درکنار بلکہ حکومت خود ان کے ساتھ مل کر عوام کے گھروں سے نکلنے پر بھی پابندی لگا دیتی ہے، کوئی بھوک سے مرے یا بیمار ہوکر، حکومت انہیں ان غنڈوں سے تحفظ نہیں دیتی۔

قارئینِ کرام! جن لوگوں کو صرف مذہبی فرقہ واریت نظر آتی ہے اور اس کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں درحقیقت یہ دین دُشمن عناصر ہیں، ان کی ایک عرصے سے یہی کوشش ہے کہ دین کے قلعوں (اسلامی مدارس) کو مذہبی فرقہ واریت اور دہشت گردی کے نام پر اِتنا بدنام کر دیا جائے کہ لوگ مدارس سے بد ظن ہو کر اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہوجائیں اور بے دینی کے سیلاب میں بہہ جائیں، اور عالمی طاغوتی نظام (کو غیر خطرناک سمجھتے ہوئے اس) کا حصہ بن جائیں۔ کیونکہ اسلام دشمن عناصر کو معلوم ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ بزورِ طاقت ممکن نہیں، کیونکہ اس بابت وہ اپنے ناکام تجربات سے گزر چکے ہیں، اس لیے انہوں نے اس بار یہ منصوبہ بندی کی کہ اگر اپنے مقصد تک پہنچنا ہے تو ایسا طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں سے ان کی اسلامی روح ختم کرکے انہیں فکری وتہذیبی ارتداد میں دھکیلا جائے، انہیں اسلامی تعلیمات سے دور کرکے اپنے مغربی رنگ میں رنگا جائے۔

درحقیقت فرقہ واریت کا یہ پروپیگنڈا اُسی تسلسل کا حصہ ہے جو مشرکینِ مکہ نے سرورِ کونینﷺ کے خلاف کیا تھا، لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ دین دُشمن عناصر اپنے مکروہ عزائم میں نہ پہلے کامیاب ہوئے ،اور نہ اَب کامیاب ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

رہی بات دینی مدارس میں عصری علوم اور جدید ٹیکنالوجی کی، تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ ہر چیز بنانے کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں، تمام ادارے اپنے ماتحتوں کے لیے ایسی تنظیم سازی کرتے ہیں کہ جس کی مدد سے وہ اپنے مقاصد تک آسانی کے ساتھ پہنچیں اور غیر ضروری کاموں میں انہیں وقت برباد نہ کرنا پڑے۔ مثلاً ہر کمپنی میں مینیجر، سوپروائزر، ورکرز اور چوکیدار وغیرہ میں سے ہر ایک کا اپنا مخصوص کام ہوتا ہے، ہر کام کے اپنے مقرر اوقات ہوتے ہیں، ہر ایک کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے اور دوسروں کے کام میں دخل اندازی پر پابندی ہوتی ہے، یعنی آل راؤنڈر بننے کی اجازت کسی کو نہیں ہوتی کہ ایک ورکر مینجر یا سپروائزر کی ذمہ داری ادا کرے۔ اسی طرح ہر کمپنی اپنی کوئی مخصوص پروڈکٹ ہی تیار کرتی ہے، ایک کمپنی میں دنیا جہاں کی تمام مصنوعات نہیں تیار کی جا سکتیں، بلکہ ٹیکسٹائل مِل کا کام کپڑا تیار کرنا ہوتاہے اور شوگر مِل کا کام چینی بنانا، شوگر مل سے کپڑا بنانے کا مطالبہ کرنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ شوگر مل سے مخصوص شوگر تیار کرنے کا مطالبہ اور ٹیکسٹائل مِل سے عمدہ سے عمدہ کپڑا بنانے کی اپیل کی جا سکتی ہے۔

معزز قارئین! یہی حال مدارس کا بھی ہے، کہ اسلامی مدارس خالص علوم اسلامیہ کے مراکز ہیں، مدارس بنانے کے مقاصد حافظ، قاری، مولوی، مفتی اور اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنا ، طلبہ میں فکرِ آخرت پیدا کرنا ، جہل و بے دینی کا خاتمہ کرنا ، باطل نظریات کی پہچان کروا کر انہیں اُن سے تحفظ فراہم کرنا ، معاشرے کو راہِ راست پر لانے کے لیے داعیانِ اسلام تیار کرنا، اَسلاف کے کردار سے طلبہ کو روشناس کرا کر ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا جذبہ بیدار کرنا اور اسلام کے نڈر سپاہی پیدا کرنا ہے۔

مدارس کی بنیاد اس بات پر رکھی جاتی ہے کہ یہاں پڑھنے پڑھانے والے دنیا طلبی سے کوسوں دور رہ کر فقط اسلامی علوم کو ترویج دیں ، انہیں عملی جامہ پہنائیں، ان کے دشمنان کے خلاف علمی انداز میں جدوجہد کریں ، الٰہی قانون ونظام پر کیے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات دیں، جدید مفکرین کے اسلامی احکام کی غلط تشریحات اور اسلام کی بگڑی ہوئی شکل کو واضح کرکے اسلام کو دنیا کے سامنے اپنی حقیقی شکل میں پیش کریں ۔

یہ اور اس جیسے دیگر نیک مقاصد تب ہی ممکن ہو سکتے ہیں کہ جب مدارس کو اپنے کام سے جُڑا رہنے دیا جائے، انہیں اپنے مقاصد میں پورے انہماک کے ساتھ کام کرنے دیا جائے اور ساتھ میں مدارس کا نصاب ونظام ایسا برقرار رکھا جائے کہ اساتذہ وطلبہ اور منتظمینِ مدرسہ تعلیمی اوقات میں یکسوئی کے ساتھ دینی علوم کی تعلیم وتعلّم اور انتظام میں مشغول رہیں۔

مدارس کو دینی علمی مصروفیت کے علاوہ دیگر مصروفیات (مثلاً جدید تعلیم وٹیکنالوجی) کی طرف دعوت دینا ترقی کی راہ پر گامزن کرنا نہیں۔ اس قسم کے مشورے اور دعوت دینے والے اسلامی مدارس کے خیرخواہ نہیں ہو سکتے، بلکہ مدارس کے یقینی بدخواہ ودشمن ہیں۔ مدارس کو جدید تعلیم وٹیکنالوجی جیسی خوش نما باتوں کے ذریعے اگر اپنے کام (فکرِ آخرت وتحصیل دین) سے نکالا گیا تو یہ مدارس کے لیے تباہی وبربادی کا پیشِ خیمہ ثابت ہوگا۔

گرامی قدرقرئین! مدارس کے قیام کا مقصدِ اصلی مسلمانوں کی دینی ضرورت کی تکمیل ہے، مدارس کے قیام کا مقصد کبھی بھی یہ نہیں رہا کہ مسلمانوں کو دنیوی فراوانی وخوشحالی کے اسباب مہیا کئے جائیں، انہیں انجینئرز، ڈاکٹر اور سائنس دان بنایا جایا، انہیں جدید معاشیات میں سودی لین دین کے اتار چڑھاؤ سے واقف کیا جائے، انہیں سٹاک ایکسچینج میں جاری جوے اور سٹے کے کاروبار میں ماہر بنایا جائے۔ اس لیے جو لوگ مدارس سے اس قسم کی اُمید رکھتے ہیں یا مطالبہ کرتے ہیں وہ مدارس کے قیام کے مقاصد سے ناواقف ہیں، انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ

(جاری ہے ۔ ۔ ۔)

عصری تعلیم کا جائزہ

مفتی ابو ھشام

کافی عرصہ سے یہ پراپیگنڈا چلا آرہا ہے کہ علماء کرام عصری علوم کے مخالف ہیں ،دنیاوی ترقی کے مخالف ہیں ۔ان حضرات پر تنگ نظری ،قدامت پسندی وغیرہ کے نت نئے الزامات لگائے جا تے ہیں ۔بالخصوص مغربی تعلیم یافتہ طبقہ جو خود کو روشن خیال، ماڈرن اور کچھ تو جہالت اور حماقت میں حد سے تجاوز کر کےخود کو سیکولر(لا دین)کہتے ہیں، بہت زیادہ غلو سے کام لیتے ہیں ۔یہاں تک کہ مدرسہ اور مسجد کو یہود کے کلیساء پر قیاس کرکے ترقی کی راہ میں اہم رکاوٹ تصور کر تے ہیں اور دینِ اسلام کے لیے تمام تر جدو جہد اور اسلامی اقدار کو (Middle Age) "قرونِ وسطیٰ" کے (Dark Age) "تاریک زمانے " پر قیاس کرتے ہیں ۔

میرے نزدیک یہ غلط فہمی یہاں سے پیدا ہو ئی ہے کہ لوگ مغربی نظامِ تعلیم کو مطلّقاً عصری تعلیم پر منطبق کرتے ہیں جو کہ غلط ہے ۔"مطلّقاً عصری تعلیم" کے متعلق علماء کی نظر اور ہے اور" مغربی تعلیم "کے متعلق اور ۔ یہ فرق ۱۷۸۹ء میں انقلابِ فرانس کے بعد اس وقت پیدا ہوا کہ جب زما نے کے اقدار بدل گئے ، انسان کا مفہوم بدل گیا ، انسان "عبد " سے "ہیومن" بن گیا اور ساتھ ہی علماء کے آراء بھی بدل گئے۔

ذیل میں ہم ا س پر مختصر بحث کر کے انصاف کا ترازو قارئین کے ہاتھ میں دیتے ہیں کہ کیا علماء عصری تعلیم یا دنیا وی ترقی کے مخالف ہیں ،یا پھر مغربی طرزِتعلیم اور مغربی اقدار کے ، اور ساتھ ہی یہ بھی انصاف کرنا ہو گا کہ ایک مسلمان اور ایک عالم ہو نے کی حیثیت سے ان کو اس کی مخالفت کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

"مطلقاً عصری علوم" یا دنیا وی ترقی کے متعلق علماء کرام کی نظر

میں اس موضوع پر طویل بحث کو وقت کا ضیاع سمجھتا ہوں، کیوں کہ اس پر پہلے ہی اتنا کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے کہ جس کے سامنے میری تحریر سورج کو چراغ دکھا نے کے مترادف ہو گی۔مولا نا کاندھلوی رحمہ اللہ فرما تے ہیں :

"دنیاوی ترقی کا دار و مدار چار چیزوں پر ہے:

۱۔ زراعت ۲۔ صنعت ۳۔ حرفت ۴۔ اجارہ(ملازمت)

شریعت نے ان میں سے کسی چیز سے بھی منع نہیں کیا بلکہ ان تمام امور کو مسلمانوں کیلئے فرض علیٰ الکفایہ قرار دیا ہے۔انبیاء علیہم السلام نے کسبِ معاش کے مختلف ذرائع اختیار کئے، حضرت آدم علیہ السلام زراعت پیشہ تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجرت پر بکریاں چرائیں، حضرت داوٗد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے۔ "

مولانا بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

" علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ دینی ہیں اور کچھ دنیا وی محض مو ضوع کے لحاظ سے ہے مگر اس کے معنٰی دین اور دنیا کی تفریق کے ہر گز نہیں ۔ چنانچہ اگر دنیوی علوم بے ہودہ اور لا یعنی نہ ہو ں اور انہیں خدمتِ خلق ، اصلاح معاشرہ اور تدبیر سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جا ئے تو وہ بالواسط رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جا تے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہو جا تی ہے ۔ اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کما نا ہو تو یہ علوم بھی بالواسط دنیا کے علوم کی صفت میں آجا تے ہیں اور اس کےلئے حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں ۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

" علم دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا ، وہ بہر حال انسانیت کیلئے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے، اور تعلیم کا مقصد فضل وکمال سے آراستہ ہو نا اور میراثِ انسانیت کا حاصل کر نا ہے۔"

عصری علوم و فنون وغیرہ کے متعلق یہ نظریہ اس وقت کا ہے کہ جس وقت حضرت انسان "عبد" تھا یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ تھا ،اس صورت میں انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاء اور خوش نو دی حاصل کرنا تھا اور یہ بدیہی بات ہے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی اوامر کو پورا کرنے اور نواہی سے بچنے میں ہے۔ اب اوامر اور نواہی کے متعلق معلومات ہمیں صرف اور صرف وحی الہٰی ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے، نہ کہ سائنس اور ٹیکنالوجی یا صنعت و حرفت کے ذریعے۔ اس تناظر میں اصل علوم بھی وہی ہیں جو صرف وحی الہٰی کے ذریعے اور انبیاء کرام کی تعلیما ت کے واسطے سے ظہور میں آتے ہیں ۔یہ وہ علوم ہیں کہ جن کے ادراک سے عقلِ انسانی نہ صرف قاصر ہے بلکہ عقلِ انسانی کے دائرے سے ہی یہ علوم خارج ہیں ۔ تخلیقِ انسان کے بنیادی مقصد کی رو سے اصل علوم تو قرآن اور حدیث ہی ہیں ،مگر ہم ساتھ ہی یہ بھی جا نتے کہ حضرتِ انسان جس مقصد کیلئے اس دنیا میں آیا ہے اس کو پورا کرنے کےلئے اسے اس دنیا میں رہتے ہوئےانفرادی اور اجتماعی طور پر ضروریاتِ زندگی سے واسطہ پڑے گا جس کے بغیر وہ اپنے مقصدِ حیات تک نہیں پہنچ پا ئے گا ۔

اس پر نام نہاد ترقی پسند لو گوں کو ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ "ملا صاحب"نے ہمیں مفلوج کر رکھا ہے ۔مگر حقیقت یہ ہے کہ ان ماڈرن، روشن خیال مسلمانوں کو احساسِ کمتری نے مفلوج بنا رکھا ہے یہ نکمّے مغرب سے آگے نکلنے کی بجائے ان کے پیچھے چلنے پر فخر محسوس کرتے اور ان ہی کے نقشِ قدم پر چلنا ترقی سمجھتے ہیں ۔بھلا تابعیت پر راضی شخص کبھی متبوع بھی بن سکتا ہے؟ملا بیچارے تو کہتے ہیں کہ تمام تر صنعتوں اور حرفتوں کے اصول و مبادی کے معلم اول انبیاء کرام ہیں "چنانچہ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ تمام تر آسمانی تعلیمات جن کی تبلیغ و تعلیم کیلئے انہیں مبعوث کیا گیا تھا وہ معبودِ حقیقی کی ابتدائی معرفت اور روئے زمین پر انسانی زندگی کے ابتدائی لوازمات، غذا، لباس،اور مسکن کے مہیّا کر نے کے طریقوں کی تعلیمات پر مشتمل تھیں۔حضرت ادریس علیہ السلام سلائی کے معلّم تھے،حضرت نوح علیہ السلام کشتی سازی اور جہاز سازی کے معلّم تھے،حضرت داوٗد علیہ السلام فنونِ حرب میں سے زرہ سازی کے معلّم اور حضرت سلیمان علیہ السلام فنونِ لطیفہ میں عمارت سازی اور ظروف سازی کے معلّم اول تھے ۔ معدنیات میں سے خام لوہے سے فولاد تیار کر نے اور تانبے کو سیال کرنے کی صنعت کے معلمِ اول بھی حضرت داوٗد علیہ السلام ہی تھے ۔بلکہ" مستدرکِ حاکم" کی ایک روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں نسل در نسل جو صنعتیں اور حرفتیں قیامت تک وجود میں آنے والی تھیں، جن کی تعداد اس روایت کے مطابق ایک ہزار ہےوہ سب اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھادی گئی تھیں، جس کی تائید آیتِ کریمہ "وعلّم آدم الاسماء کلّھا" سے بھی ہو تی ہے۔

جدید ٹیکنالوجی کے حصول کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود دیا ہے تو ملا بیچارے کی کیا مجال ہے کہ وہ تمہیں جدید ٹیکنالوجی کے حصول سے روکنے کی جرأت کر ے، کہ ان حضرات کوالزام کا موقع ملے جو زمین و آسمان کو فتح کرنا چاہتے ہیں مگر ان کی راہ میں رکاوٹ صرف ملّابنے ہوئے ہیں ۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (انفال؛۶۰)

اس آیت میں حکم ہے کہ تم دشمن کے خلاف مقدور بھر قوت حاصل کرو۔ اس میں کھلی چھوٹ دی گئی ہے کہ دنیا کو فتح کرنے کیلئے تمھیں جہاز،ڈرون،ہیلی کاپٹر،توپ، مارٹر،ہر قسم کا اسلحہ اور دیگر دنیا کو مسخر کرنے والے آلات بنا نے کی اجازت ہے۔ کیونکہ دنیا پر حکومت کرنے کا حق مسلمان ہی کو حاصل ہے کہ مسلمان ہی اللہ تعالیٰ کا اس دھرتی پر نائب اور خلیفہ ہے۔

انصاف کی بات یہ ہےکہ مسلمانوں کے ترقی کی راہ میں رکاوٹ ملّا حضرات نہیں بلکہ مسلمانوں کے اپنے لا دین و سیکولر اور احساس کمتری پر مبنی نظریات ہیں۔ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ یہ برائے نام ترقی پسند اور ماڈرن حضرات جو دنیا کو مسخر کرنا چاہتے ہیں جدید ٹیکنالوجی کے حصول کے قریب بھی نہیں جاتے ، ان کے نزدیک ترقی کا مفہوم مغربی کلچر اور لباس ہے، اسی طرح کھا نے پینے کا انداز، ہیئر سٹائل اور باڈی لینگویج وغیرہ ، مختصراً یہ کہ سر سے لیکر پاؤں تک چو بیس گھنٹے مغرب کے رنگ میں رنگنے کو بھی ترقی سے تعبیر کرتے ہیں ۔اب کوئی سلیم الطبع آدمی ہی فیصلہ کرے کہ جس صاحب کے ہاں اپنا قومی و مذہبی لباس ،رہن سہن کا طریقہ قابل عار و باعث شرم ہو وہ خود داری کے ساتھ اپنی قوم کو کیسے ثریا پر چڑھا سکے گا ؟کیسے دنیا کا فاتح بن سکے گا؟ملّا صاحبان یہ کہتے ہیں کہ ہمیں مغربی کلچر کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں کہ ہمارے پاس آسمانی عالمگیر کلچر مو جود ہے، ہاں مغربی ٹیکنالوجی کے حصول سے ہمیں انکار نہیں ، اب ترقی کیلئے جس چیز کی ضرورت ہے اس کے قریب تو یہ احساس کمتری میں ڈوبے برائے نام ماڈرن حضرات جاتے ہی نہیں ،بلکہ جس چیز میں غلامی، پستی اور گراوٹ ہے اس کی طرف قوم کو لے جانا چاہتے اور اسی کو ترقی کا نام دیتے ہیں، اور پھر ترقی کی اصطلاح کو آڑ بنا کر اپنی بے ہمتی،سستی اور بزدلی کا خمیازہ ملّا بیچارے کے اوپر ڈال دیتے ہیں کہ ہم تو آسمان پر چڑھ سکتے تھے اگر یہ تاریک خیال آڑے نہ آتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ علماء حضرات کے نزدیک اصل علوم وہی ہیں جو انبیاء کرام کی وساطت سے بزریعہ وحی الہٰی ہم تک پہنچے ہیں، جن کے ادراک سے عقلِ انسانی نہ صرف قاصر بلکہ انسانی عقل کے دائرے سے ہی یہ علوم خارج ہیں۔ علماء مطلّقاً دنیاوی علوم یا فنون کے حصول کے مخالف نہیں بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ

اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس کو حاصل نہ کرے تو تمام مسلمان گناہ گارہوں گے، کیونکہ بقول مولانا کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ کے یہ علوم یا فنون فرض علی الکفایہ ہیں۔

یہ تو ۱۷۸۹ء میں انقلابِ فرانس سے پہلے عصری علوم کے متعلق بحث ہوئی ۔رہ گئی بات موجودہ مغربی تعلیم کی جس کی علماء پُر زور مذمت کرتے ہیں اور ایک مسلمان ہو نے کی حیثیت سے ان کا صرف حق نہیں بلکہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس کی مخالفت کریں ۔

موجودہ مغربی تعلیم کی مخالفت کی وجہ

انقلاب ِ فرانس کے نتیجے میں کلیساء اور شہنشاہیت کا تختہ اُلٹ گیا انسان "عبد" سے "ہیومن" بن گیا ۔پہلے انسان مخلوق تھا اب یہ خود خالق بن گیا ،اور اب یہ قائم بالذات ہے۔ساتھ ساتھ "ہیومن صاحب" کی زندگی کا مقصد بھی بدل گیا ،"عبد" کی زندگی کا مقصد حصولِ رضاء الٰہی تھا "ہیومن صاحب" کی زندگی کا مقصد تکمیلِ خواہشات بن گیا جس میں حرام وحلال کی کوئی قید نہ ہو ۔جب انسانی زندگی کا مقصد تکمیلِ خواہشات ٹھرا تو اس کو یہ بات لازم ہوئی کہ تمام کائنات پر انسان کا قبضہ ہو تاکہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل ممکن بنا سکے۔ چناں چہ اس تناظر میں مغربی تہذیب میں علم اس چیز کا جاننا نہیں جس سے اللہ کی رضاء حاصل ہو بلکہ وہاں تکمیلِ خواہشات کےذرائع کا نام علم ہے۔

" سقراط" کے زمانے سے سولھویں صدی عسوی تک علوم کی ترجیحی ترتیب کو بدل دیا گیا، شروع میں پہلے نمبر پر مذہبی،اخلاقی اور ما بعد الطبیعات کے علوم تھے، دوسرے نمبر پر " عمرانی علوم جیسے طب، قانون اور سیا ست، پھر اسی طرح صنعت و حرفت اور دستکاری وغیرہ کے علوم یا فنون تھے مگر پہلی مرتبہ "فریڈرک ہر با رٹ" نے دینی،اخلاقی علوم کی نفی کی اور علوم صرف دو طرح کے "عمرانی اور سائنسی" قرار دیے، جس کی وجہ سے علومِ اصلی کا جنازہ نکل گیا۔

میں نے اس موضوع میں نہایت ہی اختصار سے کام لیا ہےمگر پھر بھی کوئی صاحبِ انصاف یہ فیصلہ بخوبی کرسکتا ہے کہ مغرب کے تعلیم کے متعلق مذکورہ تصور کی روشنی میں مولوی صاحب کو توچھوڑیے کیا کوئی عام مسلمان بھی اس تصورِ علم کو ماننے کیلئے تیار ہو سکتا ہے؟کسی چیز پر حکم اس میں موجود علت کی بناء پر لگتا ہے اگر علت حرمت کی پائی جائے تو حکم حرمت کا لگے گا ورنہ جواز وغیرہ کا ۔تو جس علم کا موضوع ہی خالقِ کائنات سے بغاوت ہو ،جس کا موضوع ہی مخلوق کو خالق کا درجہ دینا ہو،جس کا موضوع رضائے الٰہی کی بجا ئے تکمیلِ خواہشات ہو ،ایسے علم کے جواز کا فتویٰ کون دے سکتا ہے۔اور عملی طور پر اس بات کا مشاہدہ میں خود کر چکا ہوں کہ مغربی تعلیم یا فتہ حضرات میں سے ہر ایک تو نہیں مگر بہت سوں کی یہ روِش ہو تی ہے کہ وہ محفل میں ڈھکے چھپے مختلف انداز سے مذہب کا مذاق اڑانا اپنی پرسنیلٹی تصور کرتے ہیں ، ان حضرات کی وضع قطع تو پوری دنیا کے سامنے عیاں ہے، اسلامی تہذیب کو قدم بہ قدم مغربی کلچر پر قیا س کر کے رد کرنا ان کا شیوا ہوتا ہے،مختصر یہ کہ مغربی تہذیب سے متاثر ان احساسِ کمتری میں مبتلا افراد کے نزدیک اسلام اس قابل ہی نہیں کہ اس کو بطور نظام نافذ کیا جا ئے، یعنی ان کے نزدیک موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کر نے سے اسلام نعوذ باللہ عاری ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ
(آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا)

یعنی اسلام مکمل ضا بطۂ حیات ہے اوراسلام کا ضابطۂ حیات ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس میں ہر دور کے تمام تقاضوں کو پورا کر نے کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہو ۔ لہٰذا اس تناظر میں مغربی نظامِ تعلیم پر حرمت کاحکم مولوی صاحب نے نہیں خود شریعت نے لگایا ہے۔

اسی طرح معاشرتی طور پر اگر ہم اس کا جا ئزہ لیں تو یہ نظام مکمل طور اسلام سے تصا دم میں ہے، مثلاً معیشت کے میدان میں سود، قمار، اور احتکار وغیرہ قطعاً حرام اور نا جائز ہیں مگر جدید معیشت میں ان چیزوں کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہیں ۔سیاست کے میدان میں اسلامی تصور یہ ہے کہ ریاست کا حاکمِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے، مگر جدید علم میں ریاست خود مقتدرِ اعلیٰ ہے، جو سراسر شرک اور کفر ہے، اس کے علاوہ جدید علم معاشرے میں انفرادیت کا قائل ہے ، ہر فرد کے پروفیشنل ہو نے پر یقین رکھتا ہے، اسی لیےمغربی معاشرے میں بوڑھے ماں باپ کی قسمت میں "اولڈ ہوم"کا انتخاب ہوا ،جبکہ اسلامی معاشرہ اجتماعیت کا قائل ہے، اسلام نے اس مقصد کی خاطر حقوق و فرائض کا ایک بے مثال نظام قائم کیا ، "ماں باپ" کے قدموں میں جنت کی خوشخبری دی ، القصہ مختصر اس میدان میں اسلام اور مغرب کی قدم بہ قدم مخا لفت اور ٹکراؤ ہے۔

ابھی بھی وقت ہے
نوشتۂ دیوار پڑھ

عالمِ اسلام پر تاتاریوں کے حملے میں جن مسلمانوں نے تیاری کی اور مسلح ہوکر مجاہدین کے ساتھ ہولیے، اللہ تعالی نے انہیں عزت و شرف سے نوازا، اور جنہوں نے بدلتے حالات سے عبرت نہ پکڑی اور اپنے عیش و عشرت میں مست پڑے رہے، ان کے گاجر مولی کی طرح بے عزتی و ذلت کے ساتھ قتل ہونے کے قصوں سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

دوسرا حصہ

نیشنل اِزم

عفان صدیقی

نیشنل ازم کی سیاسی حیثیت اور اسلامی دنیا میں اس کے اثرات:

نیشنل ازم ایک سیاسی سرطان کی حیثیت رکھتا ہے جسے ناسور بھی کہتے ہیں۔ سرطان اور ناسور اس مرض کو کہتے ہیں جو ایک دفعہ کسی پر لگ جائے تو اگر شروع میں اس کا علاج نہ کیاجائے تو پھر یہ لاعلاج رہتا ہے۔

امتِ مسلمہ اجتماعی و سیاسی طور پر اور نظر و فکر کے لحاظ سے ایک امت تھی۔ جس کی وجہ سے اس کے اندر دفاع کی بھر پور قوت موجود تھی،ان کا خلیفہ و نظام ایک تھا۔ اگرچہ مرور زمانہ کے ساتھ اُس میں کمزوری پیدا ہوگئی تھی لیکن پھر بھی اگر کوئی اسلامی دنیا میں کہیں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کرتا اور بزورِ طاقت وہاں قابض ہوتا تو لوگ اس وقت تک اسے رسمی حاکم تسلیم نہ کرتے اور اس کی اطاعت نہ کرتے کہ جب تک وہ خلیفہ کا فرمان انہیں نہ دکھادیتا۔ خلیفہ کا نام جمعہ کے خطبے میں لازمی لیا جاتا اور ان کے لیے دعائیں کی جاتی تھیں۔ خلیفہ مسلمانوں کے اجتماع کا ایک نکتہ اور سبب تھا کہ جس پر امتِ مسلمہ جمع تھی۔

مسلمانوں کی آخری خلافت ۱۹۲۴ء تک ساڑھے چار سو سال کے لگ بھگ ترکی میں قائم رہی، جسے تاریخ میں خلافتِ عثمانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خلافت عثمانیہ نہ صرف دیگر اسلامی حکومتوں کی محافظ تھی[۱] بلکہ اس نے مشرقی یورپ میں متعدد علاقے بھی ، جیسے البانیا، بوسنیا، ہرزوگووینا، کوسووو، مقدونیا وغیرہ، انگریزوں کے قبضے سے آزاد کروائے تھے اور وہاں اسلام کا جھنڈا بلند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج مشرقی یورپ میں بھی کثیر تعداد میں مسلمان آباد ہیں جو کہ وہاں کے مقامی ہیں۔ یہ سب خلافتِ عثمانیہ کی فتوحات کی برکات ہیں ۔

مغرب نے بہت کوشش کی کہ اسلامی دنیا کو تسخیر کرے مگر ترکی میں مسلمانوں کے خلیفہ مسلمانوں کے متحد ہونے اوران کے اپنے دین کی حفاظت کے لیے کھڑا ہونے کا سبب تھے۔ اگرچہ اسلامی دنیا میں متعدد خود مختار حکومتیں تھیں جیسے مصر ، ہند ، افغانستان وغیرہ میں ، جو کہ خلافت کی سیاسی حاکمیت سے تو دور لیکن خلیفہ کے دینی احترام کی قائل حکومتیں تھیں ،اُن کا خلافت سے کوئی ٹکراؤ اور مخالفت نہ تھی۔ان کے خلیفہ سے اچھے روابط اور تعلقات تھے۔وہ مہم مسائل میں خلیفہ کی بات کا احترام بھی کرتے اوراس کی مدد بھی ۔

مسلمانوں کے آخری خلیفہ سلطان عبد الحمید خان دوم رحمہ اللہ تھے۔ وہ ایک نیک اور سمجھ دار آدمی تھے ۔ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی امور پر بھی بصیرت رکھتے تھے۔ خلیفہ سلطان عبد الحمید خان رحمہ اللہ نے مغرب کے سیاسی مطالبات نہ مانے اور ان کو رد کردیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے یہودی اس بات پر متفق ہوگئے کہ ہمیں فلسطین میں جو کہ ہمارے آباء کی مقدس سرزمین ہے، میں اپنے لیے ایک سلطنت بنانی چاہیے۔ مگر ان کے لیے مشکل یہ تھی کہ فلسطین خلافتِ عثمانیہ کے قبضے میں تھا۔ یہودیوں نے اپنے دو نمائندے خلیفہ کے پاس بھیجے۔ انہوں نے خلیفہ کو بہت لالچ اور رشوتوں کی پیشکش کی کہ ہم خلافت کے تمام قرضے ادا کردیں گے، یہاں تعلیمی ادارے بنا کر دیں گے، خلافت کی بحری فوج کو ترقی دینے میں مدد کریں گے ، آئندہ کے لیے بے سود قرضے فراہم کریں گے اور اسی طرح کی دیگر پیشکشیں کیں، اور اس کے عوض فلسطین میں ایک ایسے علاقے کی فرمائش کی کہ جہاں یہودیوں کو ان کے تمام حقوق حاصل ہوں۔

خلیفہ سلطان عبد الحمید خان رحمہ اللہ ایک سمجھدار اور ہوشیار خلیفہ تھے جو کہ ان کے ان مطالبات اور پیشکشوں کا مطلب بخوبی جانتے تھے۔ان کو اس بات کا علم تھا کہ یہ اسلام اور امتِ مسلمہ کے ساتھ ایک ایسی خیانت ہے جو کہ ہمیشہ تاریخ میں ایک جرمِ عظیم کے طور پر یاد رکھی جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے یہود کی ان پیشکشوں کو ٹھکرادیا۔

اہلِ مغرب یہود سے پریشان تھے:

یہود کو اصل میں اس مطالبے پر یورپ کے عیسائیوں نے ابھارا اور ان سے اس پر پوری امداد کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود کی

(۱) کیوں کہ خلافت کے آخری ادوار میں کمزوری کی وجہ سے اسلامی دنیا کے مختلف خطوں میں ایسی اسلامی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں جو کہ خودمختار ہونے کے باوجود خلافت و خلیفہ سے کسی قسم کا اختلاف نہ رکھتی تھیں۔

ایک خصلت یہ ہے کہ یہ جہاں بھی قبضہ جمالیں وہاں ہر چیز میں فساد اور خرابی پیدا کرتے ہیں۔ یورپ میں رہتے ہوئے یہود نے یورپ کا اقتصاد بالکل خراب کرکے رکھ دیا تھا۔فرانس، سپین، جرمنی اور یورپ کے دیگر بڑے بڑے علاقوں میں اقتصاد انہی کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ جہاں بھی رہتے وہاں سودی کاروبار اور سودی قرضوں کا بازار گرم رکھتے، جس کی وجہ سے یہ خود تو مالدار ہوجاتے اور علاقے کی تمام دولت ان کے ہاتھ آجاتی جسے یہ اپنی مرضی سے چلاتے، لیکن اس کے نتیجے میں اس علاقے کا اقتصادخراب ہوجاتا اور وہاں غربت اور جرائم میں اضافہ ہوجاتا۔ جیسا کہ یہی صورتِ حال آج کل پوری دنیا کے اقتصاد کی ہے۔

اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہود ایک سازشی قوم ہے، یہ جہاں بھی رہتے ہیں وہاں دیگر قوموں میں اپنی سازشوں کی بدولت جنگ و جدال کا بازار گرم رکھتے ہیں۔ یورپ میں مختلف علاقوں میں مختلف قومیں آباد ہیں، جن کی اپنی جداگانہ ثقافت، زبان و معاشرت ہے۔ یھود کسی کو اپنے دین کی نہ دعوت دیتے ہیں اور نہ ہی کسی کا یھودی ہونا قبول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے اقلیت میں رہے ہیں۔ اس اقلیت اور کم تعداد کی وجہ سے وہ ہمیشہ مغلوبیت اور غلامیت کی زندگی گزارنے پر مجبور رہے۔

وہ اپنے اوپر غالب قوموں کے زور کو کم کرنے اور اپنی قومی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لیے ہمیشہ دیگر قوموں کو اپنی سازشوں کے ذریعے جنگوں میں مصروف رکھتے۔ یورپ میں بھی ان یہود نے کچھ اسی طرح کا ماحول پیدا کیا ہوا تھا۔ یہود کی ان سازشوں کی بدولت یورپ پر مختلف قوموں کے مابین جنگوں کا ایک تاریک دور گزرا، جس کی وجہ سے آج یورپ چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹا ہوا آپ کے سامنے ہے۔

یورپ کے نصرانیوں نے چاہا کہ ایک اچھے اور محترم طریقے سے ان سے جان چھڑائی جائے۔ چناں چہ انہوں نے یہود سے کہا کہ ہم تمہیں فلسطین میں ایک علیحدہ حکومت قائم کر کے دیں گے۔ لیکن اس حکومت کے قیام میں خلافت اور خلیفہ رکاوٹ تھے کہ جن پر امت متحد تھی ۔ چناں چہ تمام نصرانیوں اور یہود نے مشترکہ کوششیں شروع کیں کہ کس طرح مسلمانوں کی اس مرکزیت کو ختم کیا جائے۔انہیں معلوم تھا کہ ایک دفعہ مسلمانوں کے جمع ہونے کے اس مرکزی نکتے کو ختم کردیا جوئے تو پھر اس کے بعد ہمارا کام آسان ہوجائے گا۔ اسی اساس پر انہوں نے خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے اپنی کوششیں شروع کردیں۔



اسلامی دنیا میں نیشنل ازم کی ابتداء :

ترکی میں ترک قوم پرستی کی ابتداء:

اسی نکتے سے اسلامی دنیا میں نیشنل ازم کی ابتداء ہوتی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ترکی میں اپنے کچھ شاگرد پیدا کیے، جن میں ایک قسم تو وہ تھے جو حقیقت میں مسلمان نہ تھے بلکہ اصلا یہودی تھے، جنہوں نے کئی صدی قبل ظاہراً تو اسلام قبول کرلیا تھا مگر حقیقت میں وہ منافقین تھے اور اپنی اولادوں کو یہودیت کی تعلیم و تربیت دیتے تھے۔ان یہودوں کے یورپ کے ساتھ تعلقات تھے اور ان کے بچے یورپ کی یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم تھے۔

یورپ میں اس زمانے میں نیشنل ازم اور قومیت کی بنیاد پر بہت سی جنگیں ہو چکی تھیں، جس کی وجہ سے یورپ تباہ ہوکر رہ گیا تھا۔ نیشنل ازم کی تباہ کاریاں ان کے سامنے تھیں۔ اسی اساس پر انہوں نے اپنی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم یہودی النسل ترکوں کی ذہن سازی شروع کی، ان کو یہ باور کرایا کہ تم لوگ دنیا میں ایک قوی قوم ہو اور تعداد میں بھی زیادہ ہو۔ ترکی، ازبک، ترکمن،تاجک، کرغیز، قازق ، ہند کے مغل ، شرقی ترکستان کے ایغور ، شمالی افغانستان کی ایک کثیر تعداد ترک ہی تو ہیں۔چناں چہ دنیا کے ایک بڑے حصے میں تمہیں آباد ہو۔ اسی طرح تاریخ کے بہادر ترین لوگ بھی تم میں گزریں ہیں۔ مغل ، سلجوقی ، چنگیز خان ، تیمور لنگ ، عثمانی یہ سب تاریخی شخصیات ترک تھے ۔ لہٰذا ترک اس لائق ہیں کہ وہ دیگر قوموں پر حاکم ہوں اور دوسروں پر فائز رہیں۔

ان کے اساتذہ نے اپنے ترک شاگردوں کو بتایا کہ تمہاری حاکمیت اور فوقیت اس وقت تک مضبوط اور دائمی نہیں ہوسکتی کہ جب تک تم اپنی زبان و فرہنگ اور رسم و رواج دیگر اقوام پر لاگو نہ کرلو، اس کے بغیر ترک حکومت کو دوام نہیں مل سکتا۔

چناں چہ اس طرح ترکی میں بڑی عیاری کےساتھ خلافتِ عثمانیہ کو کمزور کرنے کے لیے ترک قوم پرستی کی بنیاد ڈالی گئی۔

عرب قوم پرستی یا عربی نیشنل ازم کی بنیاد:

دوسری طرف عربوں میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ ترکی کے بالکل پڑوس میں شام و عراق ، مصر اور لبنان وغیرہ میں مسیحی عرب آباد تھے جو کہ قومی اعتبار سے عرب اور مذہبی لحاظ سے نصرانی تھے۔ان

کو لبنان میں موجود امریکی یونیورسٹی میں جو کہ ایک مطلقا مسیحی مذہبی تعلیمی ادارہ ہے اور جہاں اساتذہ بھی تمام نصرانی اور یورپی ہوتے ہیں ، میں تعلیم و تربیت دی گئی۔

یہ مشہور امریکی یونیورسٹی لبنان میں اب بھی موجود ہے ۔ یہ یونیورسٹی اسلامی دنیا میں مغرب کے لیے افراد تیار کرنے میں مشہور ہے۔ طالبان امریکہ مذاکرات میں سرگرم امریکی ایلچی زلمے خلیل زاد بھی اسی یونورسٹی سے فارغ ہے۔ افغانستان میں کرزئی کی کابینا کے سات ارکان اسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے۔

ان مسیحی عربوں کو اعلی تعلیم کے لیے یورپ بھیج دیا گیا۔ یہ مسیحی عرب جب وہاں سے فارغ ہو کر واپس اپنے علاقوں میں آئے تو اپنے اساتذہ کی ہدایات کے مطابق کسی نے سیاسی پارٹی بنائی تو کسی نے این جی او ، کسی نے تعلیمی ادارے کھولے تو کسی نےنشریاتی ادارے، کسی نےرسالے اور اخبار چھاپنے شروع کردیے تو کسی نے ٹی وی چینل کی بنیاد رکھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ اپنے علاقوں میں اتنے قوی ہوگئے کہ علاقے کے بااختیار و بااثر لوگوں کی اولادیں ان کے شاگرد اور زیرِ اثرہوگئے۔ لوگ ان کی فکر سے متاثر ہوکر ان کی مہم کا حصہ بن گئے اور وقت کے ساتھ یہ ایک بڑی قوت بن گئی۔

انہوں نے اس کی بنیاد پر عرب نیشنل ازم(عربی قومیت) کی بنیاد پر " القومية العربية " کے نام پر ایک تحریک بنائی ۔ یہاں سے عرب نیشنل ازم کی بنیاد پڑی۔ عرب قومیت کی بنیاد پر تحریک بنانے کے بعد انگریزوں نے اس کے ذریعے عربوں میں یہ تعلیمات پھیلانا شروع کیں کہ ترک کون ہوتے ہیں کہ جو عرب پر حکومت کریں۔قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا، نبی عربی تھے، مکہ و مدینہ سرزمینِ عرب میں واقع ہے، اسلامی تمدن و روایات دنیا کو عرب نے سکھائیں ، اسلامی علوم ،قرآن و حدیث، فقہ و عقائد، تاریخ و سیرت، تفسیر و اصول اور پوری اسلامی فرہنگ عربی زبان میں ہے۔ لہٰذا ان وحشی، بد تہذیب چنگیزی ترکیوں کو کیا اختیار حاصل ہے کہ عربوں پر حکومت کریں۔ اٹھو اور اپنا حقِ حاکمیت حاصل کرو اور ان ترکیوں سے حکومت چھین کر اپنی عربی خلافت قائم کرو۔

اس طرح عربی اسلامی دنیا میں عربی نیشنل ازم کا نعرہ بلند کیا گیا اور عربوں کو یہ باور کرایا گیا کہ عربی نیشنل ازم ہی میں تمہاری خیر ہے، کیوں کہ اسی کے ذریعہ تم میں اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔اسلام تمہیں اگرچہ اسلام کے نام پر تو متحد کرتا ہے لیکن دوسری طرف تم میں اختلاف و انتشار بھی پیدا کرتا ہے۔کسی کو یہودی کہتا ہے، کسی کو نصرانی، کسی کو مجوسی اور کسی کوکچھ اور ۔ لیکن نیشنل ازم اور قومیت ہم میں اتحاد پیدا کرتی اور ہماری قوت میں اضافہ کرتی ہے ۔ اس طرح متحد ہوکر عرب ایک بڑی قوت بن سکتے ہیں ۔ہم جب تک قومیت کی بنیاد پر ایک ہوکر متحد نہ ہوجائیں تو اس وقت تک ترکوں سے اپنا حقِ حکمرانی نہیں حاصل کرسکتے۔

غرض عرب نیشنل ازم کی بنیاد نصرانیوں نے رکھی اور ترکوں میں نیشنل ازم کی بنیاد یہود نے ۔

جب تک خلیفہ ترکوں کا ہو، حاکمیت ترکوں کی ہو اور خلافتِ عثمانیہ قائم ہو تو عربوں کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنی حکومت اور عرب قومیت کی بنیاد پر اپنی ایک امتیازی حیثیت قائم کریں۔اس کے لیے انہوں نے سب سے پہلے ترکیوں اور خلافتِ عثمانیہ کے خلاف پرپیگنڈے شروع کردیے۔ بعضے حکمرانو اور وزراء کو مختلف طریقوں سے بدنام کیا، بعض کو خفیہ طور پر قتل کیا اور بعض کو قید ۔ پھر جب خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت کے لیے راہ ہموار ہوگئی تو اس کے بعد برطانیہ نے مغرب کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے تربیت یافتہ نصرانی عرب شاگردوں اور ان کے زیرِ اثر لوگوں سے کہا کہ ہم تمہیں ایک بڑی عرب خلافت بنا کر دینا چاہتے ہیں جو کہ ایران کی حدود سے شروع ہوگی اور افریقہ میں مصر ، لیبیا، الجزائر، سحرا اور مراکش وغیرہ سب اس میں شامل ہوں گے۔ یہ ایک عربی خلافت ہوگی جس کا خلیفہ بھی عرب ہوگا۔

لیکن یہ کام اسی وقت ممکن ہے کہ جب تم لوگ خلافتِ عثمانیہ کو گرانے میں ہماری مدد کرو۔ اپنی زمین ، اپنے لشکر، اپنے جوان، اپنے ادیب، شعراء، دانشور سب ہمارے اختیار میں دے دو تو ہم انہیں استعمال کر کے خلافت عثمانیہ کو گرا کرتمہیں تمھاری عرب خلافت قائم کر کے دیں گے۔قوم پرست نصرانی عربوں اور ان کے زیرِ اثر بے دین لوگوں نے ان سے اس بات پر معاہدہ کرلیا۔

چناں چہ اس بنیاد پر عربوں کی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف جنگیں شروع ہوگئیں، جس کے نتیجے میں خلافت کا سقوط ہوگیا اور ترکی میں نئی حکومت قائم ہوئی، کمال اتا ترک[۲] ترکی کا حاکم بنا۔ اتاترک نے سیکولرازم کی بنیادوں پر قائم ایک ایسی خالص ترکی حکومت قائم کی کہ جس میں اسلام کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ عربی زبان اور عربی رسم الخط پر پابندی عائد کردی گئی ، چوبیس سال تک قرآن پر ہر قسم کی پابندی رہی۔ عربی زبان میں آذان دینے پر پابندی تھی۔ غرض اتا ترک نے ترکی کو ایک بے دین مملکت بنا دیا۔

جب خلافتِ عثمانیہ نے سقوط کیا تو پوری اسلامی دنیا پر چار مغربی ممالک قابض ہوگئے۔ مثلا سوڈان، مصر،عراق،اور یمن و عمان پر انگریز حاکم ہوگئے، سوریا،الجزائر، مراکش اور تیونس وغیرہ پر فرانس حاکم ہوگیا، لیبیا پر اٹلی اور بعض اسلامی خطوں پر اسپین نے قبضہ جمالیا۔ غرض خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے ساتھ ہی پوری اسلامی دنیا کا سقوط ہوگیا اور جگہ جگہ کفار حاکم ہوگئے۔

سقوطِ خلافت میں مدد حاصل کرنے کے لیے انگریزوں نے قوم پرست بے دین عربوں سے عرب خلافت کے قیام کا جو وعدہ کیا تھا، سقوطِ خلافت کے بعد انگریزوں نے ہمیشہ کی طرح اپنا یہ وعدہ پورا نہ کیا۔

(۲) تاریخ میں اس کو اتا ترک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ترکی زبان میں "اتا" والد کو کہتے ہیں۔ اس لیے مسلمان اسے اتاترک نہیں کہتے بلکہ "ایتاترک" کہتے ہیں۔ ترکی زبان میں "ایتا" کتے کو کہتے ہیں۔ یہ شخص اتا ترک کہلائے جانے کا اس لیے مستحق نہیں ہے کیوں کہ اس نے ترکوں کو اسلام اور اسلامی شعائر سے نہ صرف محروم کر دیا تھا بلکہ اسلامی شعائر کو ایک جرم قرار دے دیا تھا۔

بلکہ اردن کے اُس وقت کے حاکم" شریف حسین" کو ایک چھوٹی سی حکومت اور اس کے بیٹے کو عراق میں ایک کٹ پتلی حکومت بنا کر دے دی۔باقی اسلامی علاقے برطانیہ، اٹلی، فرانس اور ہسپانیہ نے آپس میں بانٹ لیے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اس کے بعد نہ خلیفہ رہا، نہ جہاد رہا ، نہ وحدتِ امت رہی اور نہ ہی شریعت۔ مغربی ،وضعی، انسان کا بنایا ہوا طاغوتی نظام نافذ ہوگیا۔تعلیم بھی اسی کے مطابق ڈھال دی گئی جس کی وجہ سے نئی نسل کو اسلام سے نفرت اور سیکولرازم سے لگاؤ پیدا ہوگیا۔ امتِ مسلمہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے دست و گریبا ہوگئی، اور اس کے لیے انگریز صلیبیوں نے نیشنل ازم (قوم پرستی) کو ایک اسلحے کے طور پر استعمال کیا۔

مصر میں مصری و فرعونی نیشنل ازم کی بنیاد:

مصر میں بھی امتِ مسلمہ کے ساتھ یہی کھیل کھیلا گیا۔ وہاں یہ تعلیمات عام کیں کہ تم لوگ عرب نہیں ہو بلکہ تمھیں تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرب کیا تھا ۔ تم لوگوں کا اپنے آپ کو عرب کی طرف منسوب کرنا ایک غلطی ہے ۔ بلکہ تمھاری تو اپنی ایک شاندار تاریخ ہے۔تمھاری تو اپنی قبطی زبان تھی، تمھاری ایک فرعونی تہذیب و تمدن تھی جو کہ تمھاری عظمت کی کھلی دلیل ہے۔ تمھاری تو اپنی ایک بڑی سلطنت تھی۔ تاریخ کی کتابیں تمھاری عظمت کے قصوں سے بھری پڑی ہیں۔ تم لوگ عرب نہیں بلکہ تم تو اصل میں مصری ، قبطی اور فرعونی ہو۔ اس طرح کی تبلیغات اور پروپیگنڈوں کے ذریعے مصر میں بھی فرعونی نیشنل ازم کی بنیاد ڈالی گئی۔

سوریا میں نیشنل ازم کی بنیاد:

اسی طرح سوریا میں لوگوں کو کہا گیا کہ تم لوگ اپنے آپ کو عرب کیوں شمار کرتے ہو، تم لوگ تو اصلا رومی ہو۔ تمھارے رنگ اور شکل بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تم رومی ہو۔ اس طرح وہاں بھی عربی و اسلامی تاریخ کے خلاف ایک اور تحریک نے جنم لیا۔

عراق میں بابلی نیشنل ازم کی بنیاد:

اسی طرح عراق میں اہلِ عراق کو بھی یہی پٹی پڑھائی گئی کہ تم لوگ کہاں سے عرب ہوگئے جو خود کو عربوں کی طرف منسوب کرنے لگے ہو۔ تمھاری تو اپنی ایک پانچ ہزار سال پرانی بابلی تاریخ ہے۔ جس کا قرآن میں بھی ذکر ملتا ہے۔ تمھارا عربوں سے جدا ایک ممتاز تشخص ہے ، تم نے اپنی بلند حیثیت کو کیوں بھلا دیا۔ تمھاری تو اپنی جدا تہذیب و تمدن اور اپنا ایک قانون تھا، تم نے اس کو کیوں بھلا دیا۔ چناں چہ اس طرح عراق میں بھی ایک منصوبے کے تحت عربی تہذیب و تمدن کی طرف سے نفرتیں پھیلائی گئیں اور اس کے ضمن میں انہیں اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب و تمدن سے باغی کیا گیا۔

ہندستان میں ہندستانی نیشنل ازم:

اسی طرح ہندستان میں ہندو نیشنل ازم شروع ہوگیا۔ جس کا نعرہ یہ تھا کہ یہاں جو بھی بستا ہے وہ ہندستانی ہے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو اور وہ تاریخی اور نسلی اعتبار سے جو بھی ہو۔ اس کے لیےمذہب سے بالا تر ہوکر صرف ہندستانی ہونا تقدس اور احترام کی علامت ہونا چاہیے۔

افغانستان میں نیشنل ازم کی تباہ کاریاں:

افغانستان میں بھی اسی نیشنل ازم کی وجہ سے لاکھوں لوگ قتل کیے گئے۔افغانستان میں ہمیشہ سے مختلف اقوام اور مختلف اہلِ زبان بستے ہیں۔ قومیت کے نام پر یہاں کبھی ایسی صورتِ حال پیش نہ آئی تھی جیسا کہ ماضی قریب میں دنیا نے دیکھی۔ مغرب کے تربیت یافتہ و تعلیم یافتہ سیکولر قوم پرست لوگوں نے ایک منصوبے کے تحت اپنی سیاست کو چمکانے ، اپنی قوم پرست جماعتوں کو قوی کرنے اور یہاں ایک متحد مسلمان ملت کو پارہ پارہ کرنے کی خاطر نیشنل ازم کا بیج بویا، جس کے وسائل کی آبکاری ڈالروں کے ذریعے کی گئی۔پشتون کے لیے فارسی بان سے زیادہ بڑا دشمن کوئی نہ رہا اور اسی طرح برعکس۔ ازبک کے لیے تاجک اس لیے دشمن ہو گیا کیوں کہ وہ تاجک ہے، تاجک کے لیے ہزارہ اس لیے دشمن ہوگیا کیوں کہ وہ ہزارہ ہے اور اسی طرح برعکس۔

یہ سب تباہ کاریاں مغرب سے برآمد نیشنل ازم کی تعلیمات اور مغرب کے تعلیم یافتہ سیکولر قوم پرست ، بیرونی ایجنڈے کے حامل افراد کی اسلامی دنیا میں آمد کے نتیجے میں ہوئیں۔ اس نظریے نے اسلامی دنیا اور مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کر کے رکھ دیا اور مسلمانوں کو مختلف ناموں اور قوموں میں تقسیم کر دیا۔

اس کے نتیجے میں اب اگر کسی مسلمان پر بمباری ہوتی ہے تو اس کے پڑوس میں دوسرا مسلمان کہتا ہے کہ یہ تو اس کا مسئلہ ہے میں کیوں اس کی وجہ سے اپنے ملک کا امن اور اقتصاد خراب کروں۔ کیوں کہ ملک اور اس کی سرحدوں کومذہب پر ترجیح حاصل ہوگئی۔ ہر ملک اپنے مفادات کو مقدم رکھتا ہے۔ اپنی بقا اور مفادات کی خاطر نہ صرف دوسرے مسلمان ملک کو برباد کرنا بھی جائز سمجھتا ہے بلکہ ایک دوسرے کے دشمن کی مدد بھی مصلحت کے عین مطابق سمجھی جاتی ہے ۔

(جاری ہے۔ ۔ ۔)

قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں

قرآن و حدیث میں مؤمن کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے دشمن ہمیشہ اس سے خوف میں رہتے اور اس سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، اور اس کے قتل کے درپے رہتے ہیں۔اسی طرح وہ بھی کفار کو مطلوب ہوتا ہے اور کفار اس کے قتل کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔یہ مؤمن کی صفت نہیں کہ اللہ کے دشمن اس سے امن میں ہوں اور وہ بھی اللہ کے دشمنوں سے امن میں ہو۔

جون سے اکتوبر تک
کی عملیات کی تفصیل

۱۴ تعارض

۱۴ مائن

۲۱ سنائپر حملے

۱۰ کمینی حملے

۴ هدفي حملے

۵ استشهادی حملے

۱۱۴ فوج مقتولین

۳۱ پولیس مقتولین

۵۶ زخمی

دعاء

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی!

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی!

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں!

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں!

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

دلِ مردِ مؤمن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے!

اقبال رحمہ اللہ

